

# کتاب العلاج

الحمد لله الذي هدانا لهذا  
الذي كنا لنهتدي لہ  
ولا حول ولا قوة الا بالله  
والحمد لله رب العالمين  
وذكر من القاصدين هو

پروفیسر ڈاکٹر

عبدالحامید نعیمی

(ستارہ امتیاز)



# عنوانات روحانی علاج

صفحہ نمبر	تاریخ	عنوان	نمبر شمار
۵	۱۱ جولائی ۱۹۸۹ء	دیباچہ	۱
۱۳	۱۱ ستمبر ۱۹۸۸ء	روح و قرآن	۲
۲۰	۱۵	طمانیت قلبی	۳
۲۸	۱۷	قرآن اور تعبیر خواب قسط: ۱	۴
۳۵	۱۹	قرآن فہمی سے علاج	۵
۴۲	۲۲	مختلف حکمتیں	۶
۴۹	۲۴	عقل و دانش کی فضیلت	۷
۵۶	۱ اکتوبر ۱۹۸۸ء	اُمّ الکتاب	۸
۶۶	۱۱	معوذتان سے علاج	۹
۷۵	۵ نومبر	عشقِ سماوی	۱۰
۸۱	۲۰	خواب اور خزان	۱۱
۸۸	۲۸	مقبول دعائیں	۱۲
۹۵	۱۳ دسمبر ۱۹۸۸ء	حکمتِ عزرائیلیہ	۱۳
۱۰۲	۲۷		



نمبر شمار	عنوان	تاریخ	صفحہ نمبر
۱۵	عین الیقین اور معرفت	۲ جنوری ۱۹۸۹ء	۱۰۹
۱۶	تجددِ امثال کے اشارات	۱۰ " "	۱۱۶
۱۷	قیامتِ صغریٰ	۱۷ " "	۱۲۳
۱۸	انسانِ کامل	۲۳ " "	۱۳۰
۱۹	جواہرِ طریقت	۳۱ " "	۱۳۷
۲۰	برکاتِ قرآن	۸ فروری	۱۴۴
۲۱	انبیاء کی پیروی اور رفاقت	۱۵ " "	۱۵۱
۲۲	درد سے درد کا علاج	۲۱ " "	۱۵۸
۲۳	عالمِ شخصی اور بہشت	۶ مارچ ۱۹۸۹ء	۱۶۵



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## دیباقہ

۱۔ پروردگارِ عالین کی ہر نعمتِ عظمیٰ کی حقیقی شکر گزاری کے  
کئی معنوی اجزاء ہوا کرتے ہیں، چُنانچہ ان میں ایک جزو روحانی مِرت  
و شادمانی کا بھی ہے، جس کی اصل حالت و کیفیت ظاہری اور جسمانی  
خوشی سے بالکل جدا اور قطعاً مختلف قسم کی ہوتی ہے، مثال کے طور پر  
روحانی فرحت کا معجزہ دریائے عجز و انکسار اور بحرِ عشق بن کمرِ مومنِ شاکر  
کو اپنے اندر ڈبو لیتا ہے، جس سے بندہ عاشق راہِ خدا میں آنسوؤں  
کے انمول موتیوں کو نچھاور کرتے ہوئے دل و جان کے انتہائی شوق  
سے بارگاہِ ایزدی میں سجدہ ریز ہو جاتا ہے، یا ایسے معجزانہ اور عارفانہ  
شکر سے آتشِ محبت تیز تر ہو جاتی ہے، جس سے مومن صادق اپنے  
باطن میں یکسر گچھل جاتا ہے، یا اس کو برقی روحانیت کے لطیف شیریں  
اور پُر کیف جھٹکے لگتے ہیں، یا اُس کو اندر ہی اندر سے معجزہ طہور کا یجد  
میٹھا اور پُرِ حکمت بخار آتا ہے، اور ایک خاص نزلہ خواب و بیداری  
کے درمیان وقوع پذیر ہو جاتا ہے۔

۲۔ بیان مذکورہ بالا سے ایک مزید نسخہ کیمیا کا پتا چلا کہ ربّانی نعمتوں کی حقیقی اور عاشقانہ شکر گزاری رہی سہی بیماریوں کے لئے علاجِ کامل کا کام انجام دیتی ہے، جیسا کہ قرآن مجید کا پُر حکمت ارشاد ہے: اور وہ وقت یاد کرو جب کہ تمہارے رب نے حکم کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو تم کو زیادہ نعمت دوں گا (۱۳)، یہاں یہ نکتہ بھی یاد رکھ لیجئے کہ عقل و جان اور جسم کی بے شمار نعمتوں اور لذتوں کا مجموعہ خدائے رحمان و رحیم کے نزدیک ایک ہی نعمت ہے، لیکن بندوں کے لئے یہ ایک ایسی کائنات کی حیثیت سے ہے، جو گوناگون نعمتوں سے مملو ہے، پس جو نعمت سامنے یا قریب تر ہو، اگر اس کے لئے علم و عمل کے حقیقی معنوں میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا شکر کیا جائے، تو یقیناً مجموعی نعمت میں اضافہ ہونے لگے گا، جی ہاں ہر قسم کی صحت بھی نعمتِ خداوندی ہی ہے، لہذا دیگر نعمتوں کی طرح اس کی بہتری اور ترقی کا انحصار بھی عملِ شکر ہی پر ہے، تاہم آپ کے لئے اب یہ جاننا باقی ہے کہ فریضہ شکر گزاری کا حتمی محسّس طرح ادا ہو سکتا ہے؟

۳۔ مشرق و مغرب کے بید عزیز دوستو اور ساتھیو! آؤ، ہم سب مل کر بطرزِ مناجات، یا بطریقِ گریہ و زاری خدائے بزرگ و برتر کی اس عقلی اور روحانی نعمت کا شکر کریں کہ اُس کا رسا نہ بندہ نواز کی رحمت و مہربانی سے اب قرآنی علاج، اور علمی علاج کے بعد روحانی



علاج بھی مکمل ہو چکی ہے، کانش! ہم سب منزلِ محو و فنا میں مرٹ  
 مرٹ کمر ذرات اور عالمِ ذرین جاتے، اور صورِ اسرافیلؑ کی گونج  
 سے ہم آہنگی کرتے ہوئے اُس ذاتِ پاک کی تسبیح و تہلیل کرتے  
 جس نے اپنے فضل و کرم سے یہ آسمانی نعمتیں بر سادی ہیں، ہر چند  
 کہ ہم وہ حقیقی شکر نہیں کر سکتے، جو کرنا چاہتے، تاہم ہمارے دل و  
 دماغ میں اس عالیشان عبادت کی کمی کے احساس سے ایک  
 خاص درد پیدا ہوتا ہوگا، اور ان شاء اللہ تعالیٰ، ایسے مبارک درد  
 سے دوسرے تمام دردوں کا علاج ہوگا، جس کی مثال اس کتاب  
 کے آخر میں موجود ہے۔

۴۔ یہ عجیب طرح کا حُسن اتفاق ہے کہ گزشتہ سال (۶ ستمبر تا  
 ۴ اکتوبر ۱۹۸۸ء) میں لنڈن میں اپنے عزیز اجاب کے ساتھ تھا،  
 اُس دوران کتابِ روحانی علاج کے سات ابتدائی مضامین مکمل  
 ہوئے، اور اس کتاب کا باقی حصہ پاکستان میں لکھا گیا، لیکن اب  
 پھر لنڈن کی انہی پاکیزہ روحوں نے اپنی جاذبیتِ روحانی سے مجھے  
 کھینچ کھینچ کر یہاں لایا، تاکہ میں کتاب کی آخری پیڑ (یعنی دیباچہ)  
 اس کے شروع میں لکھ کر دائرہ بناؤں، اور جس مبارک گھر میں یہ  
 نیک کام شروع ہوا تھا، اسی میں یہ پایہ تکمیل کو پہنچ جائے۔

۵۔ جن دانشور حضرات نے اس بندہ حقیر کی کتابوں کا منتہائے  
 بہشت کی طرح انتہائی شیرین و دلکش ترجمہ کیا ہے، اس کی جیسی ہیئت



افادیت، اور عظمت ہے، وہ ہر چند کہ کسی تعریف کی محتاج تو نہیں، تاہم میرے نزدیک اس کتابی انقلاب کی کوئی تشبیہ و تمثیل ضروری ہے، اور وہ یہ ہے کہ: کتاب کے باغ و چمن پر موسم خزان مسلط تھا، اب بھلا اللہ اس میں دائمی بہار کی سلطانی قائم ہوئی، یا یوں کہا جائے کہ کچھ جواہر کسی تاریک گوشے میں بکھرے پڑے تھے، ان پر کسی با بصیرت جوہری کی نظر پڑی، وہ وہاں سے چُن کر ایک اعلیٰ مقام پر سجائے گئے، یا اس کی مثال یہ ہے کہ ایک دُخسترنیک اختر جو بدیع الجمال بھی تھی، اور نیکو خصال بھی، چنانچہ پدرِ رضاعی نے اسے لباسِ فاخرہ اور بیش بہا زیورات سے آراستہ و پیراستہ کر کے دُہن بنایا، اور شہزادۂ علم پذیر کے نکاح میں دیا۔

۴۔ میں ذاتی مصائب و آلام کے مواقع پر اشکِ فشانی نہیں کرتا، مگر شاید میں بوقتِ مناجات گریہ و زاری کرتا ہوں، اگر منجانبِ حجاب میری کوئی حوصلہ افزائی ہوتی ہے، تو اس سے میں سوز و گداز کے عالم میں ہوتا ہوں، اور آنسوؤں کی روانی ہوتی ہے، مگر یہ سعادت کبھی کبھی نصیب ہوتی ہے، اس سلسلے کی ایک اور مثال یہ ہے کہ میری کتابوں کا بہترین ترجمہ میرے لئے ایک معجزہ تھا، جس سے میں بدرجہ انتہا متاثر ہو کر دریاے گریہ و زاری میں مستغرق ہو جاتا ہوں، شاید اس لئے کہ میں ایک ناچار آدمی ہوں، مجھ میں کوئی اہلیت نہیں، میں علم و عمل دونوں سے عاری تھا، پھر یہ خزانہ کس

نے عطا کر دیا؟ اور اس عطیہ کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟

۷۔ اگر میرے تلامیذ جو پاکستان، انگلستان، امریکہ، کنیڈا، فرانس وغیرہ میں رہتے ہیں، اس علمی خدمت میں مجھ سے تعاون نہ کرتے، تو واللہ میں ہر طرح سے ایک کمزور انسان کچھ بھی نہیں کر سکتا، مجھے یقین ہے کہ کوئی ہوشمند مؤرخ جس کو اس کام سے دلچسپی ہو وہ میرے حوالے سے ان حضرات کے اسمائے گرامی اور کارناموں کو آئندہ نسل کی تاریخ میں رقم کر دے گا، تاہم مومنین کی اس تاریخ نورانیت کی بات کیجئے، جسے خطا و لیاں کے پتلے انسان نہیں، بلکہ معزز فرشتے ہی لکھ رہے ہیں (۸۲)، یعنی کتاب اعمال، جو بہشت میں بڑی شان سے پڑھی جائے گی، آپ قرآن حکیم میں نامہ اعمال سے متعلق آیات کریمہ کا بغور مطالعہ کریں، خصوصاً آیہ علیین (۸۳) کا مطالعہ، جس کی حکمت بڑی عجیب و غریب ہے۔

۸۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے (ترجمہ): ہرگز ایسا نہیں نیک لوگوں کا نامہ عمل علیین میں ہے، اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ علیین کیا ہے، وہ ایک لکھا ہوا دفتر ہے جس کو مقرب لوگ دیکھتے ہیں (۸۳-۸۴)، آپ کو یہ بات سن کر یقیناً حیرت انگیز خوشی کا احساس ہوگا کہ دو سماوی اور دوارضی چار انتہائی عظیم فرشتے مذکورہ بالا زندہ کتاب ہیں، یعنی عقل کل اور نفس کل، اور ان کے دو منظر، کیونکہ لفظ علیین میں جو ”ن“ ہے، وہ ایک ایسی علامت جمع ہے، جو ذوق



العقول کے لئے استعمال ہوتی ہے، پس یہ امر از حد ضروری ہے کہ آپ نامہ اعمال کی معرفت حاصل کریں۔

۹۔ شاید آپ نے یہ قرآنی حکمت خوب ذہن نشین کر لیا ہوگا کہ اللہ جل جلالہ ہمیشہ ضدین یعنی دو مختلف چیزوں کو ایک دوسرے سے پیدا کرتا ہے، جیسے وہ رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے (۳۳) اس کا ایک مطلب یہ ہوا کہ شاگرد کا اضافی وجود (علم ظاہر) استاد کے توسط سے بنتا ہے، اور اُستاد کا اضافی وجود (علم باطن) شاگرد کی وجہ سے ہوتا کہ یہ بھی ایک دائرہ ہو جائے، جیسے بچے کو اگرچہ ماں ہی جنم دیتی ہے، لیکن دوسری طرف سے بھی دیکھنا ضروری ہے کہ بچہ ہی ہے، جس کے سبب سے کوئی عورت ماں کہلاتی ہے اور اس میں دودھ پیدا ہو جاتا ہے، اور اس مثال میں بھی بہت بڑی حکمت پوشیدہ ہے کہ انسانی شیر مادر کا ذخیہ دل کے سامنے سینے پر دوستان میں ہے، جبکہ مادہ جانور میں دودھ کا مقام اس کے برعکس ہے، پس طفل کے لئے شیر مادر کے ۶+۶+۱۲ چشمے مقرر ہیں، جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ قرآن میں بارہ چشموں کا تذکرہ موجود ہے (۲، ۱۶)۔

۱۰۔ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام اپنے وقت میں مومنین کے روحانی والدین تھے، ظاہر ہے کہ ناطق کو باپ کا درجہ حاصل ہے، اور اس کو ماں کا درجہ، چنانچہ شیر مادر کی مثال کے



مطابق جناب ہارونؑ کے قلب مبارک میں مومنین کی پرورش روحانی کے لئے علم کا ذخیرہ موجود تھا، اور اس علم کے مظاہر آپ کے بارہ نقیب (مُجْتَبِیٰ) تھے (۵۱)، علم روحانی کی دوسری مثال یہ ہے کہ اگرچہ بظاہر ایک پتھر سے پانی کے بارہ چشمے جاری ہوئے تھے، لیکن اس کا منقول حضرت ہارونؑ کا پاکیزہ دل تھا، جس سے ربِّ جلیل نے حضرت موسیٰؑ کے توسط سے بارہ درجات پر مشتمل علم کو جاری کر دیا، پس بارہ نقیب جن کا ذکر ہو چکا ہے علم ہارونی کے بارہ چشمے تھے۔

۱۱۔ چونکہ یہ کتاب کا دیباچہ ہے، لہذا اس میں قارئین اور آئندہ نسل کی آنکھی کے لئے اصولاً یہ لکھنا پڑتا ہے کہ اتنا اہم، وسیع، اور ہمہ پس کام کس طرح کیا گیا؟ اور اس تنظیم میں وہ خوش بخت حضرات کون کون تھے، جنہوں نے کسی بھی حیثیت سے بھرپور کردار ادا کیا؟ چنانچہ میں نے اس بارے میں مختلف مواقع پر اشارہ کیا ہے، تاہم اب وقت آچکا ہے کہ اس باب میں کوئی کتابچہ مرتب کیا جائے، جس کے لئے مندرجہ ذیل حضرات سے درخواست کی جاتی ہے:-

۱۲۔ فتح علی حبیب صدر خانہ حکمت، نصر اللہ قمر الدین نائب صدر، محمد عبدالعزیز صدر ادارہ عارف، محی الدین شاہ صوفی نائب صدر، غلام رسول صدر خانہ حکمت براچی گلگت، صوبیدار (ریٹائرڈ) یوسف علی نائب صدر، غلام قادر ایڈوائزر سابق صدر، صوبیدار (ریٹائرڈ) علی دادچیرمین بُردوشکی ریسرچ اکیڈمی، سلطان اسحاق چیمبرن ادارہ

عارف برانچ گلگت، امین کوٹا ڈیا چیئرمین ادارہ عارف برانچ لنڈن،  
نور الدین راجپاری چیئرمین ادارہ عارف برانچ امریکا، نور علی مامی کوآرڈینیٹر  
امریکا، اور امام داد کریم کوآرڈینیٹر فرانس، یہ حضرات اپنے دیگر علمداروں  
اور ممبروں سے ابھی تعاون حاصل کر کے نام بُردہ تاریخ تیار کریں  
گے، ان شاء اللہ یہ کام اتنا مشکل نہیں۔

۱۳۔ میں اس پیاری کتاب کی تکمیل کے موقع پر تمام دوستان  
عزیز کو مبارکباد پیش کرتا ہوں، اور میری عاجزانہ دعا ہے کہ پروردگار  
عالم ہماری اس ناچیز کوشش کو پُر خلوص اور سب کے لئے نافع بنائے!  
آمین یا رب العالمین!!

نصیر الدین نصیر (حُب علی) ہونزائی  
لنڈن  
۸ ذوالحجہ ۱۴۰۹ھ ۱۱ جولائی ۱۹۸۹ء



# روحِ قرآن

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۱۔ روحانی طب اور روحانی علاج کے اس سلسلے میں قرآن کی روح و روحانیت کا تذکرہ بحد ضرورتی ہے، تاکہ قارئین کرام پر اصل حقیقت منکشف ہو جائے کہ قرآن عظیم جن معنوں میں شفا ہے (۱/۱۶)، اُن میں وہ سب سے پہلے نور و نورانیت، روح و روحانیت، اور علم حکمت ہے، اس کے بغیر ارواحِ مومنین کی مُردگی کو زندگی میں اور تاریکی کو روشنی میں تبدیل کرنے کا کوئی تصوّر ہی نہیں ہو سکتا (۲/۱۳۳، ۸/۲۴)۔

۲۔ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کے امر یعنی کلمہ کُن سے بطور روح و روحانیت نازل ہوا، اور یہی روح نور ہدایت ہے (حکمت: ۴۲)، ارشاد باری تعالیٰ سے یہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ قرآن پاک کا نزول آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مبارک پر ہوا تھا (۲/۹۶) اور دل میں صرف روحانی اور عقلی چیزیں اُتر سکتی ہیں مادی اشیاء نہیں۔

۳۔ سورۃ مائدہ (۵/۱۵) میں ارشاد فرمایا گیا ہے: قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ



اللہ نور و کتبِ مقبیین (۱۵) تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور اور ایک ظاہر کتاب آئی ہے۔ یہاں نور سے حضورِ نور کی ذاتِ اقدس مراد ہے، اور کتابِ مبیین قرآن پاک ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن کی زندہ روح اور نورِ ناطق آنحضرتؐ کی بابرکت شخصیت میں جلوہ گر تھا، اور اسی معنی میں پیغمبرِ خدا روشن چراغ تھے (۳۳) کیونکہ قرآن جس طرح لوحِ محفوظ میں بھی ہے (۳۱-۳۲) اور اُمّ الکتاب میں بھی (۳۳) اسی طرح اس کی روح یا نور آنحضرتؐ میں بھی تھا۔

۴۔ جو خوش بخت لوگ درجہٴ فنا فی المرشد کے بعد مرتبہٴ فنا فی الرسولؐ کو حاصل کرتے ہیں، وہ اُس مقام پر نفسانی موت سے گزر چکے ہوتے ہیں، لہذا ان کو ایک طرح سے نامہٴ اعمال مل جاتا ہے، یہ ایک جیتی جاگتی، بولتی کتاب، روحِ قرآن، اور نور ہے (۲۳، ۵۶) کیونکہ قرآن مجید اپنے نور کے معجزات میں ایسا محیط ہے کہ مہی سب کچھ ہے، پس یہ مومنین کی اصل روح بھی ہے، روحانیت بھی، نور بھی ہے، نورانیت بھی (۶۶) اور نامہٴ اعمال بھی (۲۵)۔

۵۔ سورہٴ عبس (۱۱۱-۱۱۴) میں دیکھیے! ہرگز ایسا نہیں، یہ (قرآن مقامِ روح و عقل پر) ایک ناقابلِ فراموش تذکرہ ہے، پس جو شخص چاہے نصیحت حاصل کرے، یہ باعزت و باکرامت صحیفوں میں ہے، جو برتر اور پاک و پاکیزہ ہیں، وہ ایسے بھنے والے (فرشتوں)

کے ہاتھوں میں ہیں، جو معزز و مکرم اور نہایت نیکو کار ہیں (۱۱-۱۴)،  
 یہ معرفت کا وہ عالیشان مقام ہے، جہاں نورِ قرآن کریم کتابِ مکنون  
 (۵۶) میں پایا جاتا ہے۔

۶ سورہ محمد میں ارشاد فرمایا گیا ہے: اے لوگو جو ایمان لا  
 چکے ہو! اگر تم (دین کے ذاتی اور اجتماعی امور میں) اللہ کی مدد کرو  
 گے تو وہ تمہیں آسمانی تائیدات سے نوازے گا اور ثابت قدمی عطا  
 فرمائے گا (تاکہ تم راہِ روحانیت پر منزلِ مقصود تک پہنچ سکو ۱۲)،  
 یہاں آپ کو اچھی طرح سوچنا ہوگا کہ انسانی مدد کتنی حقیر اور کیسی محدود  
 ہے! اور ربانی تائید کی وسعت و ہمہ گیری کا کیا عالم ہوگا؟ یقیناً  
 تائیدِ نور ہی کا دوسرا نام ہے، اور نور کا خاصہ یہ ہے کہ وہ جہاں بھی  
 جائے، وہاں کی تمام چیزوں کو اپنی شعاعوں میں غرق کر لیتا ہے،  
 اس کے معنی یہ ہوتے کہ نورِ تائید کے آنے سے مومنین کے امراض  
 باطن رفتہ رفتہ جل کر ختم ہو جاتے ہیں۔

۷ خدائے علیم و حکیم اپنے بندوں کے دلوں میں صورت و  
 معنی ایمان کو رقم فرماتا ہے، اور اپنے حضورِ خاص کی ایک مقرب  
 روح سے ان کی مدد (تائید) کرتا ہے (۵۸)، تاکہ وہ اس روحانی  
 تحریر کو دیکھ سکیں، اور اس کے سہرا کو سمجھ سکیں، لیکن یہ کیوں کر  
 ممکن ہو سکتا ہے کہ ایسی نورانیت روحِ قرآن کے بغیر ہو؟ یقیناً  
 یہ قرآن ہی کی روح ہے، جس کی رہنمائی سے بھیدوں کا آخری خزانہ



مل جاتا ہے۔

۸۔ ارشاد ہے: ہرگز ایسا نہیں، بیشک نیکو کاروں کی کتاب (نامہ اعمال) علیتین میں ہے، اور تمہیں کیا معلوم کہ علیتین برترین کیا ہے؟ وہ ایک لکھی ہوئی کتاب ہے، اس کا مشاہدہ مقربین ہی کرتے ہیں (۱۳۱/۸)، یعنی اللہ کے مقرب بندے اپنی کتاب اعمال کو اس دُنیا میں بھی دیکھ سکتے ہیں، جو روح اور عقل کی بلندی پر قرآن کا سب سے بڑا معجزہ ہے، کیونکہ قرآن مجید ہی ہے، جس کے ظاہر و باطن میں ہر چیز کا بیان موجود ہے (۱۳۹)۔

۹۔ حضرت آدمؑ میں روح خداوندی پھونک دی گئی تھی (۱۵/۱۹)، اور دوسرے تمام پیغمبروں کو بھی یہی سب سے پاکیزہ روح حاصل ہوئی، جس کی ایک نمایان مثال حضرت عیسیٰؑ ہیں (روحِ متہ ۱۲/۲۱) اگرچہ آنحضرتؐ کے لئے بھی وہی عظیم خدائی روح تھی، تاہم حضورِ اکرمؐ سرِ دائرِ رُسل، خاتمِ انبیاء، اور رحمتِ عالم تھے، لہذا یہ پاک روح بحکمِ خدا آپؐ کی ذاتِ عالی صفات میں قرآنِ عزیز جیسی بے مثال کتاب لے کر نازل ہوئی (۳۲/۲۲) جو تمام اگلی آسمانی کتابوں کا خلاصہ اور نچوڑ بھی ہے، پس قرآنِ حکیم ظاہرِ مبین (۱۵/۱۵)، ہوا، اور نور (روح ۱۵/۱۵) کو لازمی طور پر حضورِ اکرمؐ ہی کی ذاتِ اقدس میں رہنا تھا، تاکہ بوقتِ ضرورت قرآن پر اس کے اپنے نور کی روشنی ڈالی جائے۔ ۱۰۔ انبیاء کے بعد اولیا کا مقام اس معنی میں بلند ہوتا ہے کہ



وہ حضرات قرآن کی روح و روحانیت کی روشنی میں پینیموں سے متعلق تجرّد امثال کا مشاہدہ کرتے ہیں، اور اسی وسیلے سے وہ ایک طرف آسمانی کتاب کے مقامات روحانی و عقلی کے عارف ہو جاتے ہیں، اور دوسری جانب انبیاء و رسل کے مراتب عالیہ کی معرفت حاصل کر لیتے ہیں، جیسا کہ سورہ اعراف (۷۱) میں دوستانِ خدا سے فرمایا گیا ہے: اور ہم نے تم کو (جسم میں کھلی طور پر) پیدا کیا پھر ہم نے تمہاری (روحانی) صورت مکمل کر دی پھر ہم نے (گویا تمہارے سامنے ہی) فرشتوں سے فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو (۷۲) یہ ایک ایسی روشن حقیقت ہے کہ اس میں اہل دانش کو ذرا بھی شک نہیں ہو سکتا۔

۱۱۔ سورہ مائدہ (۵۴-۵۸) میں غوب غور و فکر سے دیکھ لیجئے، ہر آسمانی کتاب تمام احوالِ ظاہر و باطن پر محیط و حاوی ہو ا کرتی ہے، کتاب کی ظاہری شکل مادی تحریروں میں اور اس کی باطنی صورت روحانی اور عقلانی نوشتوں میں ہوتی ہے، اور ہمیشہ اس کی جملہ ظاہری ہدایات کا رخ روح اور نور کی طرف ہوتا ہے، تاکہ لوگ ہدایت نامہ الہی کو ظاہر و باطناً دیکھ سکیں، اور حقائق و معارف کے تمام سرخزانے ہنسا رہیں، جیسا کہ ارشاد ہے: ہم نے توریت نازل فرمائی تھی جس میں ہدایت تھی اور نور تھا (۵۴) اور انجیل کے بارے میں فرمایا گیا ہے: اور ہم نے ان (عیسیٰ) کو انجیل دی جس میں ہدایت تھی اور نور تھا (۵۵) یعنی کتابِ سماوی کے ظاہری پہلو میں ہدایت ہوتی ہے، اور باطنی پہلو میں نور ہوتا ہے۔

جیسے مصحف اور لوح محفوظ دراصل مل کر قرآن یا کتابِ مبین ہے (۲۴) جبکہ قرآن مجید لوح محفوظ میں بھی ہے (۲۱-۲۲) اور وہاں وہ روحِ اعظم اور نورِ اکبر ہے۔

۱۲ آیاتِ نور کی یہ ایک جداگانہ خصوصیت ہے کہ ان میں بجا طور پر تفکر و تدبّر کرنے سے (اگر اللہ نے چاہا تو) انتہائی عظیم امر سر منکشف ہو سکتے ہیں، اس حقیقت کی ایک روشن مثال یہ ہے: اور جو لوگ خدا پر اور اس کے رسولوں پر (کامل اور مکمل) ایمان رکھتے ہیں ایسے ہی لوگ اپنے پروردگار کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں، ان کے لئے ان کا اجر اور ان کا نور ہے (سورۃ حدید ۱۹) اس پر حکمت ربّانی تعلیم میں ایسے ایمانِ کامل کا ذکر فرمایا گیا ہے، جو درجاتِ عینِ الیقین سے بھی آگے ہوتا ہے، کیونکہ یہ اولیاء (صدیقین) اور شہیدانِ روحانی کا ایمان ہے، اور یہ شہید وہ ہیں، جو راہِ خدا میں جیتے جی مر جاتے ہیں اور شہید کا مطلب یہ بھی ہے کہ وہ آسمانی کتاب کے روحانی معجزات پر گواہ بن جاتے ہیں (دکانوا علیہ شہداء ۵۷)۔

۱۳ اجر کیا ہے؟ قرآنِ کریم کی روح و روحانیت کی غیر فانی دولت اور ثوابِ دنیا و آخرت (۳۸) اور نور کیا ہے؟ آفتابِ علم و حکمت پس ایسے ہی خوش نصیب لوگ امراضِ باطن سے پاک و محفوظ اور عقل و جان کی سلامتی سے سرور و شادمان ہوتے ہیں۔



عالم قرآن



۱۴۔ تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی  
طرف سے ایک نور آیا ہے اور ایک  
ظاہر کتاب (۱۵) پس نورِ زماۃ نبوت  
میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم  
تھے، اور آپ کے بعد بھی اس نور کا  
ہونا لازمی ہے۔

نصیر الدین نصیر (حُبِّ علی) صوفی زانی  
لندن

۲۹ محرم الحرام ۱۴۰۹ھ ۱۱ ستمبر ۱۹۸۸ء

# طمانیتِ قلبی

۱۔ ہر قسم کا خوفِ بیجا، ہر گونہ پریشانی، احساسِ کمتری، دُنیوی حرص، گھبراہٹ، بُرے خیالات یا دُوسو سول کی اذیت، غمگینی، بے چینی، مایوسی، ناخوaste غصہ، سُبک مزاجی، زبان کی لغزش، کم ہمتی، بد باطنی فخر، غرور، جہالت و نادانی، غفلت، سُستی، تنگدلی، اضطراب، نسیان (بھول جانا)، کُند ذہنی، دماغی الجھن، اور ان جیسی تمام اخلاقی اور روحانی بیماریوں کا واحد علاج طمانیتِ قلبی ہی ہے، جو ذکرِ الہی کی برکتوں سے حاصل ہو جاتی ہے، جیسا کہ سورہٴ رعد (۱۳) میں ارشاد ہوا ہے: **الَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ الْقُلُوبُ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ** (یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دلوں کو (درجہ بدرجہ) اطمینان ہو جاتا ہے۔ چونکہ قلوب مختلف درجات کے ہوا کرتے ہیں، اس لئے یہ طمانیتِ قلبی شروع سے لے کر آخر تک سارے مراتب پر محیط ہے، یعنی اطمینانِ ہر شخص کے علم و عمل کے مطابق ملتا ہے۔

۲۔ سوال: خداوندِ قدّوس کی یاد سے طمانیتِ قلبی کس طرح پیدا



ہو جاتی ہے؟ اگر ایک مومن کسی بڑی تکلیف میں مبتلا ہے، اور وہ کثرت سے خدا کو یاد کرے، تو یہ ذکر کن معنوں میں اس کے اطمینان و سکون کا باعث ہو سکتا ہے؟

۳۔ جواب: شاید آپ نے قرآنی علاج یا علمی علاج میں اس حدیث شریف کا حوالہ دیکھا ہو گا کہ ہر شخص کے دو قرین (ساتھی) ہوا کرتے ہیں، ایک تو فرشتہ ہوتا ہے اور دوسرا جن (شیطان) سو فرشتہ ہر وقت انسان کو بھلائی کی ترغیب دیتا ہے، اور شیطان اس کے برعکس بُرائی کے لئے اکساتا رہتا ہے، چنانچہ جب جب بندہ مومن ذکر خداوندی میں مسلسل مصروف رہتا ہے، تو اُس حال میں بھی اگرچہ شیطان ڈر کے مارے کچھ ہاتھ پاؤں ضرور مارتا ہے، لیکن آخر کار شکست خوردہ ہو کر خاموش اور مایوس ہو جاتا ہے اور دوسری طرف ذکر کی بدولت فرشتے کو بولنے کا موقع مل جاتا ہے، پس وہ دل میں علم و حکمت کی باتیں ڈالنے لگتا ہے، اگر کوئی تکلیف یا بیماری ہے تو اس کے دور ہو جانے کی خوشخبری سناتا ہے، ہر دکھ ایک عبادت قرار پانے کی بات کرتا ہے، اور روحانیت و آخرت کی کامیابی کی بشارت دیتا ہے، چونکہ یہ آسمانی الہام ہے، جو صداقت کی روح سے پُر اور حقیقت کے نور سے متور ہے، لہذا اس میں زبردست طمانیت قلبی اور ہر بیماری کے لئے شفا کے کلی موجود ہے، ہر چند کہ شروع شروع میں اس فرشتے کی آواز صاف طور پر سنائی نہیں دیتی،

لیکن بہ اشارہ ضمیر یہ حالت محسوس ہو جاتی ہے کہ دل کو غیر معمولی تسکین و تسلی اور خوشی حاصل ہو رہی ہے۔

۴۔ یادِ الہی لا ہوت اور ناسوت کے درمیان لٹکائی ہوئی ایک نورانی تہی ہے، یہ ایک روحانی ٹیل بھی ہے، جو شہرستان فنا کو ملک بقار سے ملا دیتا ہے، یہی راہِ راست بھی ہے، جس پر قدم قدم اور منزل بمنزل نورِ ہدایت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، یہ بھی صحیح ہے کہ ذکر میں بہشت جیسا ایک نورانی عالم پوشیدہ ہے، جس کے عجائب و غرائب احاطہ بیان سے باہر ہیں، پروردگار کے اسم مبارک میں ایک ایسی بے مثال دوا پنہان ہے، جو دنیا کے کسی بھی طبیب، حکیم اور ڈاکٹر سے دستیاب نہیں ہو سکتی، ذکر سے خالق اور مخلوق کے رشتہ ازل کا تجدیدِ امثال ہو جاتا ہے، اس میں عقل و جان کی لازوال مسرتوں اور شادمانیوں کے انمول خزانے رکھے ہوئے ہیں، اگر ذکر حقیقی معنوں میں ہو، تو یہ ایک نور ہے، پھر عجب نہیں کہ روحِ ذاکر رفتہ رفتہ اس نور میں حل ہو جائے، یا فی الوقت روشنی کو قبول کرے۔

۵۔ ربِّ جلیل کے بابرکت ذکر سے جو اطمینان حاصل ہو جاتا ہے، اس کا زیادہ سے زیادہ تعلق روحانی اور عقلی نعمتوں سے ہے، کیونکہ اگر آرام و راحت میں ہمیشہ جسم ہی کا پلہ بھاری رہا، تو پھر آخرت میں نامرادی ہوگی، اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ ہم جسمانی تکالیف کو دور کرنے کے لئے کوشش ہی نہ کریں، لیکن اس کے معنی



یہ ہیں کہ ہمیں کسی بھی دنیوی تکلیف و آزمائش میں خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہونا چاہئے، پس ظاہری بیماری میں بھی کثرت سے خدا کا نام لینا ضروری ہے، تاکہ عرصہ قلیل میں شفا ملے، اگر اللہ تعالیٰ کی حکمت و مصلحت سے ہم مزید وقت کے لئے بیمار رہتے ہیں، تو پھر ان شاء اللہ تعالیٰ فرشتہ (جس کا تذکرہ ہو چکا ہے) مرضِ مومن کے ضمیمہ میں کہنے لگے گا کہ: ”صبر و ہمت سے کام لو، اس بیماری سے تمہاری تطہیر ہو رہی ہے اور یہ جسمانی مرض بحکم خدا کئی اخلاقی اور روحانی امراض کو مارتا رہا ہے۔“

۶ سورہ فجر میں اطمینان کی تعریف و توصیف اس شان سے فرمائی گئی ہے: اے اطمینان یافتہ روح! تو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ جا (رجوع کر) درحالیہ کہ تو اس سے خوش وہ تجھ سے راضی ہے، تو میرے (خاص) بندوں میں داخل ہو جا، اور میری جنت میں داخل ہو جا (۸۹: ۲۷-۳۰) اس قرآنی تعلیم میں یہ حکمت ہے کہ مومن کی زندگی کے تمام نیک اقوال و اعمال کا نتیجہ حقیقی اطمینان ہے، اور اس کے بعد رجوع الی اللہ (خدا کی طرف لوٹ جانا) ہے، تاہم قرآن پاک میں دیکھ لیجئے کہ اطمینان و رجوع سے پہلے کیسی کیسی آزمائشیں سر سے گزر سکتی ہیں (۱۵۵: ۲-۱۵۷)۔

۷ یہاں اس حکمت کی وضاحت بھی ضروری ہے، جو فادخلی فی عبادی، ”تو میرے خاص بندوں میں داخل ہو جا، میں پوشیدہ

ہے، سو جاننا چاہئے کہ خدا کے خاص بندے انبیاء و اولیاء ہیں، جو حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نورِ اقدس میں فنا ہو کر یکجا ہو چکے ہیں، چنانچہ نفسِ مطمئنہ سے فرمایا جاتا ہے کہ وہ بھی فنا فی المرشد اور فنا فی الرسول ہو کر نفسِ واحدہ کے ساتھ ایک ہو جائے (۳۸/۱) کیونکہ ”فی“ کے معنی ہی ایسے ہیں، کہ اس میں روح اور نور میں جا کر فنا ہو جانے کا اشارہ موجود ہے۔

۸۔ اطمینان کا ایک اور اعلیٰ مقام یہ ہے، جس کے بارے میں ارشاد ہوا ہے: (اے رسول!) آپ فرما دیجئے کہ اگر زمین پر فرشتے ہوتے کہ اطمینان سے چلتے پھرتے تو ہم ان پر آسمان سے فرشتہ کو رسول بنا کر نازل کرتے (۹۵:۱۷) یہ ارضی فرشتے سب سے پہلے انبیاء علیہم السلام ہیں، جن کی ایک بہت بڑی صفت طمانیتِ قلبی ہے، جس کا مفہوم بہت ہی وسیع ہے۔

۹۔ دراصل اطمینان بہت سے معنوں پر محیط ہوا کرتا ہے، اور ان میں مختلف درجات کی بشارتیں بھی ہیں، ان میں ایک بڑی بشارت فرشتوں کے توسط سے اللہ تبارک و تعالیٰ کی غیبی مدد کے بارے میں ہے، جیسے جنگِ بدر میں خدا نے نزولِ ملائکہ سے لشکرِ اسلام کی مدد فرمائی تھی، جیسا کہ ارشاد ہے: اور اللہ تعالیٰ نے یہ امداد محض اس کے لئے کی کہ بشارت ہو اور تاکہ تمہارے دلوں کو اطمینان ہو جائے (۸/۱) کہتے ہیں کہ فرشتے دکھائی



دیئے تھے، یقیناً ایک ہی فرشتے کا ظہور ہوتا ہے، جس میں بیشمار فرشتے ہوتے ہیں، گویا سب سے بڑا فرشتہ ایک زندہ قلعہ ہے، اور اس کے اندر کے تمام فرشتے لشکر ہیں۔

۱۰۔ سورۃ مائدہ (۵: ۱۱۲-۱۱۵) میں دیکھ لیں، آیہ کرمیہ کا ترجمہ ہے: وہ بولے کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس (سماوی دسترخوان) میں سے کھائیں اور ہمارے دلوں کو پورا اطمینان ہو جائے اور یقین کر لیں کہ آپ نے ہم سے (اپنی رسالت کے سلسلے میں جو کچھ کہا تھا) سچ فرمایا تھا اور ہم گواہی دینے والوں میں سے ہو جائیں (۱۱۵) اس مثال کی حکمت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین پر روحانی علم کا دسترخوان نازل ہوا تھا، اسی سے ان کے دلوں کو کامل اطمینان ہونا تھا، کیونکہ قرآن حکیم کا فرمانا ہے کہ پروردگار نے ہر چیز علم میں رکھی ہے (۱) چنانچہ اس باب میں ہمیں دوسری اشیاء کی طرف توجہ دینے سے پیشتر قرآنی چیزوں میں غور کرنا از حد ضروری ہے، ان میں سے ایک چیز اور ایک مثال دسترخوان (مائدہ) ہے، جو آسمان سے نازل ہوا تھا، جس سے روحانی (دنی) علم مراد ہے، جو عقل و جان کی ربانی نعمتوں کا بابرکت دسترخوان ہے جس کی ہر نعمت عقل و جان کے لئے غذا بھی ہے، اور دوا بھی، پھر اس سے طمانیتِ قلب کیوں نہ ہو۔

۱۱۔ جیسا کہ یہ بیان ہو چکا کہ اطمینان کے مختلف درجات ہیں،

اب یہاں یہ بتانا ہے کہ اس کا آخری اور بلند ترین درجہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مثال میں موجود ہے (۲: ۲۶۰) انبیائے کرام اور اولیائے عظام اپنی مقدس زندگیوں سے حقائق و معارف کے نمونوں کو پیش کرتے ہیں، اور ایسا کرنا بھی ضروری ہے تاکہ وہ حضرات خدا کے حکم سے بیمار اور دکھی انسانیت کو سلامتی کی راہوں پر گامزن کر سکیں، چنانچہ قرآن حکیم نے واشکاف الفاظ میں کہہ دیا کہ مُنْعَم عَلَیْہِمْ (۲: ۶۹) کا راستہ سب کے لئے کھلا ہے، ان کے پیچھے پیچھے چلو یعنی روحانی ترقی کرو، اور ان کی رفاقت روحانی سے مستفیض ہو جاؤ، تاکہ معرفت کی لازوال دولت اور اسرارِ ازل کے بے مثال خزانوں سے مالا مال ہو جاؤ گے۔

۱۲۔ جس طرح جسمانی ڈاکٹر پرہیز، پھر علاج پر زور دیتے ہوئے اکثر کہا کرتے ہیں کہ: ”دیکھو کسی بھی چھوٹی سی بیماری کو نظر انداز کر کے نہ بیٹھنا، بلکہ فوراً ہی اس کے علاج کے لئے رجوع کرنا، کیونکہ بسا اوقات تھوڑی سی طبیعت کی خرابی ایک بڑی بیماری میں تبدیل ہو جاتی ہے“ اسی طرح قرآن مجید نے بزبانِ رموز اشارہ کہہ دیا کہ: ظاہری مرض کے برعکس باطنی بیماری جلد آسکتی ہے، اس لئے دائم الذکر ہو جاؤ، اور طمانیتِ قلبی پر ہر وقت نظر رکھو، کیونکہ یہی کسوٹی تمہاری باطنی صحت کے لئے مقرر ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم ذرا غافل



ہو جاؤ، اور شیطان موقع پا کر اپنی پسند کے جراثیم تمہارے دل میں پھیلانے، پھر اس وقت مشکل ہو جائے گی، کیونکہ یہ جراثیم بڑی جلدی سے کسی شدید روگ کو جنم دے سکتے ہیں، اس لئے بار بار دیکھتے رہا کرو کہ ذکرِ خدا سے دل کو ٹھیک ٹھیک سکون ملتا ہے یا نہیں؟ اگر یادِ الہی جیسی سب سے بڑی نعمت سے لذت و شادمانی اور تسکین نہیں ملتی ہے، تو پھر سمجھ لو کہ یہ تمہاری علالت کی نشانی ہے۔

نصیر الدین نصیر (حُبِّ علی) ہونزائی  
لنڈن

۳ صفر المنظر ۱۴۰۹ھ ۱۵ ستمبر ۱۹۸۸ء

# قرآن اور تعبیر خواب

قسط: ۱

۱۔ الحمد للہ کہ روحانی علاج کے اس پسندیدہ موضوع کا تعلق براہ راست اور بالواسطہ قرآن حکیم ہی سے ہے، جس میں بیرون از شمار رحمتیں اور برکتیں عیاں بھی ہیں اور پنہان بھی، چنانچہ آج بھی ہمیشہ کی طرح میرا جی چاہتا ہے کہ بیحد عاجزی اور گریہ زاری سے اپنی ذات کی نفی کرتے ہوئے اللہ پر توکل کروں، کیونکہ نہایت مہربان و مبین وہی ہے۔

۲۔ میرا ایمان کہتا ہے کہ قرآن پاک کو بہت بڑا معجزہ ماننا مختصر بات ہے، جبکہ یہ بے مثال آسمانی کتاب دراصل ”عالم معجزات عقلی“ ہے، کیونکہ اس میں جو علوم مخفی کے خزانے اور خزانوں میں جیسے جواہر وغیرہ ہیں، وہ بڑے عجیب و غریب اور انتہائی عجیب العقول قسم کی انمول چیزیں ہیں، پس انہی گنج ہائے اسرار میں تعبیر خواب کے بھید بھی ہیں، اور یہ بندہ نابینا شاید اپنی چھوٹی سی



عقل اور محدود معلومات کی وجہ سے ایسی کئی چیزوں کو ترسانی  
انکشافات تصور کر رہا ہے، تاہم یہ بات کس حد تک صحیح ہے، اس  
کی تحقیق (ریسرچ) کی جائے گی۔

۳۔ اگر کوئی شخص یہ پوچھے کہ قرآن مقدس جب خواب نامہ  
نہیں، تو پھر کس طرح کوئی نمونہ اس سے علم تعبیر کا کام لے سکتا  
ہے؟ جواب: یہ بات اہل دانش کے نزدیک محقق ہے کہ قرآن حکیم  
علوم ضروریہ کا سرچشمہ ہے، اور میں عرض کرتا ہوں کہ علم تعبیر بھی ایک  
ضروری علم ہے، اس لئے اس کو قرآن میں موجود ہونا چاہئے اور یہ  
موجود ہے، اب آپ غور سے اس حقیقت کی مثالوں کو دیکھیں:-

۴۔ خواب میں اپنے آپ کو عمدہ اور صاف لباس زیب تن کئے  
ہوئے دیکھنا، پرہیزگاری کا نتیجہ ہے، کیونکہ قرآن میں تقویٰ کے ساتھ  
لباس کا ذکر ہے (۲۶: ۷۱) اور میاں بیوی تقویٰ کے معنی میں ایک  
دوسرے کے لباس ہیں (۱۸۴: ۲) اس کے برعکس اگر کوئی آدمی  
خواب میں خود کو بے لباس، یا پھٹے پرانے کپڑوں میں، یا جامہ  
علیظ میں پاتا ہو، تو یہ حالت عدم پرہیزگاری پر تنبیہ کرتی ہے  
(۲۴: ۷۱) کسی تکلیف، بیماری، اور مصیبت کے دوران کوئی بھی مسرت انگیز  
خواب دیکھنا، اس امر کی بشارت ہے کہ وہ صابرین میں شمار ہو رہا  
ہے (۱۵۵: ۲)۔

۵۔ خواب میں پانی علم ہے، اگر آسمان سے برس رہا ہے

تو یہ علم لُٹتی ہے (۲۵:۴۸) اگر صاف چشمہ ہے تو بھی ایسا ہے،  
 اگر نہریں صاف پانی بہہ رہا ہو، تو یہ روایتی علم ہے، جو آمیزش سے  
 پاک ہے، اگر پانی آلودہ ہے، تو یہ اشارہ سمجھ لینا کہ کوئی غیر خالص علم  
 سے واسطہ پڑا تھا، اگر آپ نے ایک بہت بڑے سمندر کو خواب میں  
 دیکھا ہے، جس پر ایک تخت تھا، اور اُس پر ایک نور (۱۱:۷۱)، تو یہ سب  
 سے بڑی بشارت ہے، مبارک ہو! سمندر علم الہی ہے، اور بانی تعبیر  
 خود قرآن مجید میں دیکھ لیں، اور اگر آپ نے تخت کے بغیر ایسے  
 سمندر کو دیکھا ہے، تو خوشخبری ہے کہ یہ قرآن عظیم اور خدائی علم ہے۔  
 ۶۔ خواب میں آسمان اور اُس کی چیزوں کو دیکھنا روحانی عروج  
 و ارتقا کی دلیل ہے، یعنی خود آسمان صاف یا ابر آلود، سورج،  
 چاند، ستارے وغیرہ (۶۱:۷۵)، یہ نکتہ ہمیشہ کے لئے یاد رہے کہ جنت  
 روحانیت، قرآن، اور نورانی خواب سنت الہی کے مطابق ایک ہی طرح سے  
 کام کر رہے ہیں، اسی بنا پر آیات قرآن سے خواب کی تعبیر ہو سکتی ہے۔  
 ۷۔ خواب میں پہاڑ دیکھنا عظمت روح کی مثال ہے، پہاڑ پر چڑھ  
 جانا روحانی ترقی کا اشارہ ہے، پہاڑ سے اُترنا تنزل ہے، قیمتی پتھروں  
 (جواہر) کو جمع کرنا علمی کامیابی ہے، کیونکہ جواہرات اور زیورات کی تعبیر  
 روحانیت اور علم و حکمت ہے، جبکہ حقیقی زینت اسی سے ہوتی ہے۔  
 ۸۔ خواب میں باغ و بوستان دیکھنا، یا ہر ابھر اکھیت دیکھنا روحانی  
 آبادی کی بشارت ہے (۲۷:۶۰، ۴۸:۲۹)، طرح طرح کے پھلوں کو



دیکھنا بہشت کی خوشخبری ہے (۴۶) خواب میں پرواز کرنا جنت میں فرشتہ بن جانے کی نشانی ہے (۱:۳۵) کتاب دیکھنا نامہ اعمال مل جانے کی مثال ہے، خواب میں اپنی موت کا منظر دیکھنا، جسمانی موت سے قبل نفسانی موت ضروری ہونے کی دلیل ہے (۲:۹۴) اور اپنے آپ کو مریض دیکھنا، کسی باطنی بیماری کی طرف اشارہ ہے (۱۰:۵۷)۔

۹. آپ نے خواب میں جس شخص کو دیکھا تھا، اس کا کیا نام ہے؟ کیونکہ ایسے آدمی کے اسم کی بھی تعبیر ہوا کرتی ہے، یعنی اگر نام نصر اللہ ہے، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد ملے گی، اگر فتح یا فیروز نام ہے تو کائنات ہوگی، اور اگر اسم رحمت ہے تو مہربانی ہوگی، پس علیٰ ہذا (اسی پر قیاس کر لو) اور یہ بات بڑی اہمیت والی ہے، کیونکہ ناموں کے معانی علم اسماء میں سے ہیں (۲:۳۱) نیز آپ سے یہ پوچھنا ہے کہ وہ شخص کس طرف سے آپ کے پاس آیا؟ آگے سے؟ داہنی طرف سے؟ بائیں طرف سے؟ یا پیچھے سے؟ کیونکہ اس میں بھی تعبیر ہے (۸-۹، ۶۹، ۶۹، ۸۴) اور اگر آپ کو طرف یاد نہیں، تو کیا آپ یہ بتا سکتے ہیں کہ وہ آدمی نیک مومن ہے؟ تاکہ ہم اس کو فرشتہ تصور کریں؟ اس لئے کہ فرشتہ خواب دروہانیت میں بصورت آدمی نظر آتا ہے۔

۱۰. اگر کسی شخص نے ایسا خواب دیکھا کہ وہ کراہت اور گھن کے ساتھ کوئی کچا گوشت کھا رہا تھا، تو یہ اس نافرمانی اور بیماری کا ناوشگوار نتیجہ ہے کہ اس نے اپنے مومن بھائی کی غیبت کی تھی (۱۲:۴۹)۔

۱۱۔ خواب میں نماز پڑھنا، عبادت کرنا، آیت پڑھنا، ذکر کرنا، روحانی پیشرفت کی علامت ہے (۱۹۱:۳) خواب میں شعائر اللہ (خدا کی نشانیاں) دیکھنا، یعنی وہ چیزیں جو اللہ کی عظمت کے لئے نشان قرار دی گئی ہیں، جسے قرآن، خانہ کعبہ، مسجد، وغیرہ، یہ قلبی تقویٰ کا اشارہ ہے (۳۲:۲۲)۔

۱۲۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس نے خدا کو خواب میں دیکھا، وہ جنت میں داخل ہو گیا، اور آنحضرتؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ جس نے مجھ کو دیکھا تو اُس نے گویا خدا کو دیکھا، یہ فرمانِ نبویؐ بیداری اور خواب دونوں کے بارے میں ہے، اور اس سے دیدار کی نمائندگی لازم ہو جاتی ہے، تاکہ حقیقت صرف خواب ہی کی حد تک محدود ہو کر نہ رہ جائے، پس دینِ فطرت کا اصل تقاضا یہی ہے کہ خلیفہ رسولؐ ہر وقت دنیا میں موجود ہو، تاکہ بحکم ”فادخل فی عبادی“ امیرے بندگانِ خاص میں داخل ہو جا، ختا فی الخلیفہ، فنا فی الرسولؐ، اور فنا فی اللہ کا عمل ہمیشہ جاری و ساری رہے۔

۱۳۔ خواب میں، یا روحانیت میں حربی نشان (بندوق وغیرہ) کے ساتھ کسی فرشتے کو دیکھنا، یا کسی لشکر کو دیکھنا، یا گھوڑے پر سوار ہو جانا روحانی جہاد کو ظاہر کرتا ہے (۱۳۵، ۱۳۶)، اور براہِ راست جنگ کا منظر دیکھنا خود جہاد ہی ہے۔

۱۴۔ خواب میں زلزلہ آئے، زمین پھٹ جائے (۲۲، ۵۴)، یا



بانسری، شہنائی، اور نرسنگا جیسی آواز سنائی دے (۲۳۱) تو یہ قیامت کی علامتیں ہوں گی (۶۴، ۳۶) اگر کسی مومن پر روحانیت کا زلزلہ طاری ہو جاتا ہے، تو اس کی تطہیر ہوگی (۳۳، ۹۹)۔

۱۵ خواب میں عمدہ مکان، بنگلہ، یا کوٹھی دیکھنا، روحانی تعمیر و ترقی کی بشارت ہے، اور اس کے برعکس ویرانوں اور کھنڈروں کو دیکھنا روح کی پس ماندگی کا اشارہ ہے (۶۶، ۲۹)۔

۱۶ سورۃ انفال (۸۹) میں فرمایا گیا ہے: اے ایمان والو اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو وہ تمہارے واسطے ایک کسوٹی (فرقان) مقرر کر دے گا، اس ہدایت سماوی میں دیگر وسائل کے علاوہ خواب کی طرف بھی اشارہ فرمایا گیا ہے کہ تمہارا خواب ایک خدائی اور معجزانہ معیار کی حیثیت سے کام کرے گا تاکہ اس سے تم کو اپنے اعمال نیک و بد کے نتائج سے آگہی ہوئی رہے، جس کی روشنی میں تم اپنی روح کو سنوار سکو۔ ۱۷ سورۃ ذاریات (۵۱-۴۱) میں ارشاد ہوا ہے: اور اہل یقین کے لئے زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں، اور خود تمہاری ذات میں بھی ہیں، تو کیا تم کو دکھلائی نہیں دیتا (۵۱-۴۱) اس میں بزبان حکمت یہ فرمایا جاتا ہے کہ سیارۃ زمین پر جیسی اور جتنی کثیف اشیاء ہیں، ایسی اور اتنی لطیف چیزیں تمہارے عالم شخصی میں بھی ہیں، یعنی خواب و روحانیت کی طرف پُر زور توجہ دلا کر کہا جاتا ہے کہ دیکھو تمہاری ذات میں سب کچھ موجود ہے، اور اگر زمین پر کوئی خلیفہ رسول

ہے، تو اس کا بھی عکس لطیف یہاں ہونا چاہئے کیونکہ وہ قدرتِ خدا کی ایک بہت بڑی نشانی ہے۔

۱۸، آپ کو ہر بار یہ ضرور دیکھنا ہوگا کہ خواب کا مجموعی تاثر کیسا ہے؟ اچھا ہے؟ یا بُرا؟ یا درمیانی؟ تاکہ آپ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے خود کو نہ صرف باطنی بیماریوں ہی سے محفوظ رکھ سکیں گے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اپنی پیاری روح کو خاطر خواہ ترقی دینے کے قابل بھی ہو جائیں گے، لیکن یہ عظیم کارنامہ اس وقت ممکن ہوگا جبکہ آپ اپنے خوابوں کو بہت بڑی اہمیت دیتے ہوئے ان کے اشاروں کو سمجھ لیں، اور ہر اشارہ جس بات کا متقاضی ہو، اس کے مطابق کام کریں ان شاء اللہ العزیز۔

نصیر الدین نصیر (حُب علی) ہونزائی

لنڈن

۵، صفر المظفر ۱۴۰۹ھ، ۱۷ ستمبر ۱۹۸۸ء



# قرآن اور تعبیر خواب

قسط: ۲

۱۔ خالق اکبر نے انسان کے لئے چار عالم پیدا کر دیئے ہیں وہ یہ ہیں: عالم بیداری، عالم خیال، عالم خواب، اور عالم روحانیت جو آگے چل کر عالم آخرت کہلاتا ہے، ان سب کی فلاح و صلاح، اور ترقی و کامیابی کا انحصار حالت بیداری پر ہے، کیونکہ اسی کارِ عمل ہمیشہ خیال میں گھومتا رہتا ہے، اسی کے نتائج اعمال ہر خواب میں سامنے آتے رہتے ہیں، اور بالآخر اسی کے اقوال و افعال کی سزا و جزا آخرت میں مل جاتی ہے، پس ہر فردِ مسلم کے لئے یہ امر انتہائی ضروری ہے کہ وہ خدا و رسول کی اطاعت شایانِ شان طریقے سے کرے، تاکہ اللہ تعالیٰ کے وہ عظیم الشان وعدے جو اہل ایمان کے دین و دنیا کے بارے میں ہیں، اس کے حق میں پورے ہو جائیں۔

۲۔ آئینہ ظاہر آدمی کی شکل و صورت کی عکاسی تو ضرور کرتا ہے، لیکن وہ چہرہ جان و دل کو کیسے دکھا سکتا تھا، یہی تو سبب ہے کہ

اس ضروری کام کے لئے قادرِ مطلق نے ایک جداگانہ اور معجزانہ آئینہ بنا کر دیا، اور وہ خواب ہے، تاکہ ہر ہوشمند انسان اس آئینے میں اپنے قول و فعل کی خوبی و برکت کو اس طرح تفصیل سے دیکھ سکے، جس طرح کہ وہ کل قیامت کے دن نامہ اعمال کو دیکھیکا، لیکن ایک بہت بڑا فرق یہ ہے کہ کتابِ خواب میں بار بار اصلاح و درستی ہو سکتی ہے، مگر کتابِ اعمال مل جانے کے بعد اس میں کوئی ترمیم ممکن نہیں۔

۴۔ خواب و روحانیت میں آسمانی چیزوں کو دیکھنے کی جو بشارت ہے، وہ سات درجوں میں پائی جاتی ہے، وہ درجاتِ رفیع نیچے سے اوپر کی طرف اس ترتیب سے ہیں: اول آسمانِ ابر آلود، دوم آسمانِ بارش برساتا ہوا، سوم آسمانِ صاف شفاف اور اس میں کچھ نہ ہو، چہارم آسمانِ ستاروں سے بھرا ہوا، پنجم آسمانِ ماہ تابان کے ساتھ، ششم آسمانِ خورشیدِ نور کے ساتھ اور ہفتم وہ مرتبہ جو مشرق بھی ہے اور مغرب بھی، جس کو تمام انبیاء و اولیائے دیکھ لیا ہے۔

۵۔ آدمی کے خوابوں کا اصل مقصد یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کی اصلاح کرتا رہے، اگر کوئی بشارت ملی ہے، تو اس نعمت پر بڑی عاجزی سے اللہ تبارک و تعالیٰ کا شکر کرے، اور اگر کسی قسم کی تنبیہ کی گئی ہے، تو پھر توبہ اور کثرتِ ذکر کا طریقہ اختیار کرے، تاکہ خداوندِ عالم اس کے حال پر رحم فرمائے۔

۵۔ اس موضوع کے سلسلے میں ایک بڑا اہم اور بنیادی قانون یہ



ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام اپنے اپنے وقت کے لوگوں کو خوشخبری دینے اور ڈرانے کی غرض سے بھیجے گئے تھے (مُبَشِّرِین و مُنذِرِین ۱۱۳) اور یہ کام چار طریقوں سے انجام پاتا ہے: کتبِ سماوی سے پیغمبروں کی زبانِ مبارک سے، اُن حضرات کے خُلفاء سے، اور خواب کے توسط سے، پس یہ خوب سوچنے کا مقام ہے کہ جب کسی مسلمان کو خواب میں ایک بشارت ملتی ہے، تو اس کا پس منظر کیا ہو سکتا ہے؟ یعنی اُس بشارت کے اصل بشیر کون ہیں؟ میرا یقین ہے کہ یہ وہی ذاتِ عالی صفات ہے، جس کو رحمتِ عالم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ نورانی خواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے اجزاء میں سے ایک جزو ہے، لہذا اس کی ترقی و تہجد ضروری ہے، جو علم و عمل سے ہو سکتی ہے۔

۶۔ سورۃ نباہ (۸۴) میں ارشاد ہے: وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُباتًا (۸۴) اور ہم نے تمہاری نیند کو آرام (کا باعث) قرار دیا۔ یہاں یہ سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ نیند کی تو بہت سی قسمیں ہیں، اُن میں سے کونسی نیند ایسی ہو سکتی ہے، جو خدائے علیم و حکیم کی تعریف و توصیف کے اس معیار کے مطابق ہو؟ اس کا جواب تین باتوں پر مشتمل ہے: یہ اصل نیند ہے جو بگڑی ہوئی نہیں، یہ اصلاح و ترقی یافتہ نیند ہے، اور روحانیت ہے، جو نیند کی طرح ہوا کرتی ہے۔

۷۔ انبیاء علیہم السلام کی آنکھیں سو جاتی ہیں، مگر اُن کے قلوب نہیں

سوتے، اگر ایسا ہے تو پھر لازمی طور پر اُن حضرات کی مبارک پشانی میں نورِ ذکرِ خود بخود بوتا رہتا ہوگا، اب آپ کو یہ سوچنا پڑے گا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس خواب کی بنا پر اپنے فرزندِ عزیز کو ذبح کرنا چاہا، وہ خواب کس نوعیت کا ہوگا (۳۶)؟ آیا وہ ایسا خواب تھا، جو روحانیت کے ساتھ مل کر ایک ہو جاتا ہے؟ کیونکہ جب مکمل اور بھرپور روحانیت آجاتی ہے تو وہ صرف خواب ہی پر نہیں، بلکہ بیداری اور خیال پر بھی محیط و حاوی ہو جاتی ہے۔

۸۔ نیند نہ تو مختلف جانوروں میں ایک جیسی ہے، نہ سب انسانوں میں، کیونکہ پیشہ یا عمر کی وجہ سے، اور عبادت و ریاضت کے سبب سے اس میں بڑا فرق پایا جاتا ہے، چنانچہ خدا کے دوستوں کو اس بات کا بخوبی تجربہ حاصل ہو جاتا ہے کہ ایک منزل میں جا کر نیند اور روحانیت ایک ہو جاتی ہے، اور اسی دوران وہ نیک بخت لوگ اپنی نفسانی موت اور اس کے عجیب و غریب بھیدوں کو دیکھتے ہیں، پس منام (نیند ۳۹) عوام کی حالت خواب ہے اور خواص کی روحانیت، جس میں دونوں گروہ کی روح قبض کی جاتی ہے (۳۹)۔

۹۔ ملکوتِ آسمان میں بھی ہے اور زمین پر بھی (۴۰)۔ اگر مومن کا خواب نورانی ہے، تو وہ اس میں ملکوتِ سماوی و ارضی کی چیزوں کو دیکھ سکتا ہے، اور یہ مشاہدہ دیدہ دل سے عالمِ شخصی میں ہوگا، اُس حال میں تمام چیزیں آیات کہلائیں گی (۴۱)۔ اور ہر آیت کے معنی میں



علم ہوگا اور حکمت ہوگی، کیونکہ آیت معجزہ ہے۔

۱۔ جب نورانی خواب اجزائے نبوت میں سے ہے، اور اس کی ہر چیز ایک آیہ قدرت (نشانی) ہے، تو اس کی کئی تعبیریں ہو سکتی ہیں درحالہ کہ اس کی فوری اور عمومی تعبیر اپنی جگہ پر صحیح ہوگی، تاکہ اس پہلو دار قانون کی بدولت ہر درجہ اور ہر پیشہ کے لوگوں کو ان کے احوال کے مطابق خواب کا اشارہ ہو سکے، یہی تو سبب ہے کہ ہر آدمی کو اس کے روزمرہ ماحول کے مطابق خواب دکھائے جاتے ہیں۔

۱۱۔ ان چند صفحات پر عالم خواب کی ہر چیز کی تعبیر ممکن ہی نہیں، لیکن یہاں مقصد صرف اتنا ہے کہ قرآنی تعبیر خواب کے ثبوت میں کچھ دلیلیں اور مثالیں پیش کی جائیں، تاکہ لوگ اس علم شریف سے (جو قرآن میں ہے) فائدہ حاصل کریں، اور اسی معیار پر اپنی صحت و بیماری کو پرکھ سکیں۔

۱۲۔ سورہ نحل (۱۶-۸) میں دیکھ لیں کہ وہاں چوپالیوں کی ایک بنیادی تعبیر کا اشارہ موجود ہے، وہ یہ ہے کہ بھیڑ، بکری، گائے وغیرہ کو اپنی جگہ ٹھیک ٹھاک خواب میں دیکھنا فائدے کی علامت ہے، جو روحانی طور پر بھی ہو سکتا ہے، اور مادی طور پر بھی، اور غیر مفید اشارہ وہ ہے، جس میں چوپائے تتر بتر اور ضائع ہو جاتے ہیں، اور اگر گھوڑا وغیرہ خواب میں آتا ہے تو یہ ایک طرف روحانی جہاد و سفر کی دلیل ہے اور دوسری طرف جسمانی سفر کی۔

۱۳ خواب میں کُتنا جیسے درندے کا حملہ کرنا اچھی بات نہیں (۱/۱۶۱)  
 ایسے خوابوں کے متعلق بعض لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ یہ کسی بیرونی  
 دشمن کی مثال ہے، حالانکہ بہت ممکن ہے کہ یہ آدمی کا اندرونی کُتنا (خوئے  
 مردم آزاری) ہو، کیونکہ عالم شخصی میں سب کچھ ہے، چنانچہ ذیل میں  
 ایک مثالی نقشہ درج ہے، جس کے ذریعہ آپ یہ معلوم کر سکیں گے  
 کہ خواب و روحانیت میں کونسا جانور کس خصلت کو ظاہر کر رہا ہے  
 تاکہ آپ کو علمِ تعبیر کے ان خاص اصولوں سے آگہی ہونے کی وجہ سے  
 اصلاحِ نفس کا عمل آسان تر اور تیز تر ہو سکے۔

### نقشہٴ مظاہر

مظہر	غالب خصلت	
گاتے	نفس خورندہ، پُر خوری	۱
خرگوش	خواب غفلت، نیند کی کثرت	۲
اُونٹ، ریکچہ، سانپ	دشمنی، کینہ	۳
طاؤس (مور)	فخر و ناز	۴
ہاتھی	تکبر، خود بینی	۵
لومڑی	مکر و فریب	۶
کُتا، شیر، وغیرہ	غیض و غضب، مردم آزاری	۷
کوا، وغیرہ	حرام خوری	۸



۹	شہوت پرستی	گدھا، مرغ، وغیرہ
۱۰	حرص، طمع	سور، بطخ، چبوتی
۱۱	کج روی، بے راہی	بھیڑیا
۱۲	نقائی، بھانڈپن	بندر، طوطا
۱۳	جاسوسی	ھڈھڈ
۱۴	چاپلوسی، خوش آمدی	بلی
۱۵	بجوری	بجوبا

نصیر الدین نصیر (حُب علی) ہونزائی  
لنڈن  
مصر المنظر ۱۴۰۹ھ ۱۹ ستمبر ۱۹۸۸ء

# قرآن، فہمی سے علاج

۱۔ جس شخص کو دوسرے شیطانی ستاتا ہے، جو آدمی خود کو ہر قسم کی برائیوں سے محفوظ رکھنا چاہتا ہے، جس بندے کو آفاتِ سماوی وارضیٰ کا اندیشہ ہو، جو انسان دل ہی دل میں دشمنوں اور مخالفتوں سے ڈرتا ہو، جو کوئی کسی بیماری سے نالاں ہو، جس کو گونا گون برکتوں کی ضرورت ہو، جس کو آسمانی ہدایت کی روشنیوں سے عشق ہو، اور جو مومن خدائی علم و عرفان کا شیدائی ہے، وہ سب کے سب عقیدہٴ راسخ، پاک دلی، اور امید و اتق کے ساتھ قلعہٴ قرآن میں داخل ہو جائیں، اور شب و روز اس کے فیوض و برکات سے مستفید ہوتے رہیں، یہ دعوتِ بزبانِ حکمت خود قرآن ہی کی ہے۔

۲۔ قانونِ فطرت کی اس روشن مثال کو سبھی جانتے ہیں کہ دنیوی تعلیم کی بہت سی سطحیں (LEVELS) ہوا کرتی ہیں، یعنی اس کے بہت سے درجے ہوتے ہیں، اور ہوشمند لوگ عمرِ گر انما یہ کے ایک بڑے حصے کو حصولِ علم میں اور باقی ماندہ زندگی کو تجربات و معلومات میں صرف کرتے



ہیں، پھر بھی وہ بحقیقت یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ انہوں نے دریلے علم کو اپنے کوزہ دل میں اُنڈل لیا، یہ تو صرف دنیاوی علم کی بات ہو گئی اب اسی مثال کی مدد سے قرآنی علم کے بحر بے پایان کا تصور کریں، جس کے ساحل سے بے شمار لوگ قطار در قطار اپنی اپنی ظرفیت کے مطابق آبِ علم لے رہے ہیں، مگر سوال ہے کہ ہم لوگوں کے پاس کیا کیا ظروف ہیں؟ جواب: مشک، مشکیزہ، بالٹی، پخال، چھاگل، دیگیچ، مٹکا، کوزہ، جگ، گلاس وغیرہ، لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ آیا یہ کہا جائے گا کہ لوگوں نے سارا سمندر پی لیا؟ نہیں نہیں، ہر گز نہیں۔

۳ سورہ کھف (۱۸) میں دیکھ لیجئے: (اے رسول! ان لوگوں سے) کہو کہ اگر میرے پروردگار کی باتوں (کو سمجھنے) کے واسطے سمندر بھی روشنائی بن جائے تو قبل اس کے کہ میرے پروردگار کی باتیں ختم ہوں سمندر ہی ختم ہو جائے گا اگرچہ ہم ویسا ہی (ایک اور سمندر) اس کی مدد کو لائیں۔ یہ علم الہی کی تعریف ہے، جو قرآن پاک کی روح و روحانیت اور کلماتِ تامات میں ہے، کیونکہ قرآن مجید لوح محفوظ میں بھی ہے (۲۶۱-۲۶۲) جس سے کوئی علم باہر نہیں (۳۶) جب خدائی علم کے سمندر کی عظمت و بزرگی اور وسعت کا یہ عالم ہے کہ فرشتہ، جن، اور بشر سب کے سب مل کر بھی اس کا احاطہ نہیں کر سکتے، تو پھر ہم بدرجہ انتہا خلوص عاجزی کے ساتھ قرآن عزیز سے پوچھتے ہیں کہ اس سمندر کی غرقابی سے بچکر منزلِ قرب و فنا سے ہمکنار ہو جانے کا طریقہ کونسا ہے؟ وہ ازراہ

عنایت و ہدایت فرماتا ہے: اور اسی کی ہیں اونچی کی ہونی کشتیاں جو پہاڑوں کی طرح سمندر میں کھڑی رہتی ہیں (۵۵) پس یہاں سمندر سے علم الہی مراد ہے، اور عالی مرتبت کشتیاں انبیاء و صدیقین (اولیا ۴۹) ہیں، جو بحر و جانیت کی کشتی بھی ہیں اور کشتیبان بھی۔

۴۔ یہ پُر حکمت ارشاد بھی مذکورہ بالا زندہ کشتیوں کے بارے میں ہے: جتنے ان کشتیوں میں ہیں وہ فنا (فی اللہ) ہو جاتے ہیں اور صرف تمہارے پروردگار کی وجہ جو عظمت اور کرامت والی ہے باقی رہتی ہے (۵۵-۴۹) اس صوفیانہ فنا سے متعلق حقائق و معارف کو جاننے کی ضرورت ہے، تاکہ کامل یقین ہو کہ وہ فنا حق ہے، اور وہ یہی ہے۔ ۵۔ سورہ بنی اسرائیل (۱۶) میں بھی ان عالی قدر کشتیوں کا حکمت

آگین اشارہ موجود ہے، اور وہ ارشاد یہ ہے: اور ہم نے یقیناً آدم کی اولاد کو عزت دی اور خشکی اور سمندر میں ان کو (جانوروں اور کشتیوں کے ذریعے) لئے لئے گئے اور انہیں پاکیزہ چیزیں کھانے کو دیں اور ہم نے ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر اچھی خاصی فضیلت دی (۱۶) اگرچہ بظاہر اولاد آدم سارے انسان ہیں، لیکن بحقیقت حضرت آدم علیہ السلام کا دینی اور علمی ورثہ صرف ان حضرات کو نصیب ہوا، جن کو قرآن حکیم نے مُنعم علیہم (۴۹) کے خطاب سے ممتاز فرمایا ہے، پس یہی صاحبان حضرت آدم کی معنوی اولاد ہیں، خشکی سے علم ظاہر مراد ہے، سمندر علم باطن ہے، کشتیاں انبیاء و اولیا ہیں، پاکیزہ چیزوں سے علم و



حکمت مراد ہے، اور مخلوقات دوسرے لوگ ہیں، جن کو حضرت آدم علیہ السلام کی یہ مقدس وراثت نہیں ملی، کیونکہ اسلام سے باہر کوئی دینی کرامت و فضیلت نہیں۔

۶۔ قرآن حکیم کا یہ پُر حکمت اشارہ کتنا عالیشان، کیسا دلنشین و دلنواز کس قدر نوازشات سے بھرپور ہے، کہ اس میں بحر روحانیت کی راہ سے منزلِ قرب و فنا میں پہنچا دینے کی بشارت دی گئی ہے، پس اہل ایمان پر واجب ہے کہ وہ آیاتِ قرآن میں خوب تفکر و تدبّر کریں۔

۷۔ سورہ ظہ (۲۱) میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا جاتا ہے: وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا۔ اور آپ یہ دعا کیا کیجئے کہ اے میرے رب میرا علم بڑھا دے (۲۱)، اس حکمِ عالی سے ظاہر ہے کہ حضورِ الٰہی ہر وقت یہ دعا کرتے رہے، اور اسی طرح آپ کے علم میں ہمیشہ اضافہ ہوتا رہا، تا آنکہ فرشِ زمین سے لے کر عرشِ برین تک روحانی علم کی سیڑھی لگ گئی، اور اس مبارک دعا میں مومنین کے لئے یتا کیدی اشارہ ہے کہ وہ قرآنِ فہمی کے سلسلے میں علم کے بیحد محتاج ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ وہ ہمیشہ یہی دعا کرتے رہیں۔

۸۔ قرآن حکیم اللہ تبارک و تعالیٰ کی ایک ایسی با کمال اور بے مثال کتاب ہے، کہ اس کی گہرائیوں کے علوم مخفی برکتوں اور حکمتوں کے نام سے حاصل ہو جاتے ہیں، اور اس لطیف و شیرین تحصیل کا گہرا

تعلق غور و فکر سے ہے، چنانچہ اس امر خاص و ضروری کی طرف قرآن پاک میں جا بجا پُر زور توجہ دلائی گئی ہے، جس کی ایک مثال سورہ ص (۳۸) سے یہ ہے (ترجمہ): یہ ایک بابرکت کتاب ہے جس کو ہم نے آپ پر اس واسطے نازل کیا ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ اہل دانش نصیحت حاصل کریں (۳۸)، دوسری مثال سورہ محمد (۴۷) سے لیجئے: تو کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا دلوں پر قفل لگ رہے ہیں (۴۷) ان دونوں مثالوں سے کسی شک کے بغیر یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ قرآن فہمی کے لئے عقل و دانش اور غور و فکر از بس ضروری ہے۔

۹۔ سورہ اعراف (۷) میں ارشاد ہوا ہے: (لوگو) جب قرآن پڑھا جائے تو کان لگا کر سنو اور چپ چاپ رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے (۷)، رحم کرم کو کہتے ہیں، یہ ہربانی کا نام ہے، یہی دیا، بخشش، اور عفو بھی ہے، کیوں نہ ہو، جبکہ رحم کی صفت عالیہ رحمان و رحیم ہی کی ہے، یقیناً سامعین قرآن کے مجملہ احوال پر رحم کیا جائے گا، خواہ کوئی بیماری کی حالت میں ہو، یا کسی اور تکلیف میں، بہر کیف خداوند ہربان اُس پر نظرِ رحمت ڈالے گا۔

۱۰۔ خدائے بزرگ و برتر کا ایک نام ثانی مُطلق ہے، کیونکہ شفا اور صحت حقیقی معنوں میں اسی کے قبضہ قدرت میں ہے، اور وہی شفا و صحت اور تسکین دیتا ہے، جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے



بارے میں ارشاد ہوا ہے: **وَإِذَا مَرَضْتُ فَبُهِتَ الَّذِينَ** (۲۶) اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو وہی مجھ کو شفا دیتا ہے (۲۶) یہ بیماری جسمانی، روحانی، اور عقلانی میں سے کوئی بھی ہو سکتی ہے پس آپ قرآن مجید کو ہر قسم کی بیماری سے شفا یابی کی نیت سے پڑھا کریں، اور اس کے صحیح معنوں کو سمجھنے کے لئے غور و فکر سے کام لیں، ان شاء اللہ کامیابی ہوگی، کیونکہ قرآن عزیز شافی مطلق کا شفا بخش کلام ہے، جس میں ہر قسم کے امراض کے لئے نسخہ ہائے لاہوتی موجود ہیں۔

۱۱۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا حکمت سے مملو ارشاد ہے: **فَاذْكُرُونِي** اَذْكُرْكُمْ (۱۵۶) پس تم میری یاد کرو تو میں (بھی) تمہاری یاد کروں گا (۱۵۶) یہ ایمان افروز اور روح پرور خطاب سلیمین سے فرمایا گیا ہے، اور اب یہ بھی دیکھ لیں کہ منافقین کے بارے میں کیا ارشاد ہوا ہے: **لَسُوا لِلَّهِ فَتْسِيْمُهُمْ** (۹) وہ لوگ خدا کو بھول گئے تو خدا بھی (گو یا) ان کو بھول گیا (۹) تاہم یہاں یہ بہت ہی ضروری سوال ہے کہ خدا نے پاک و برتر کس طرح اپنے بندوں کو یاد فرماتا ہے؟ اور وہ جلّ شانہ، کیسے کسی منافق کو بھول جاتا ہے؟ یہ بات بڑی ہیرت انگیز ہے! اس کا جواب یہ ہے کہ جب بندہ مومن بصد عاجزی و خاکساری مٹ مٹ کر اللہ کو یاد کرتا ہے، تو ایسے میں اس کو خداوندِ عالم نظرِ رحمت سے دیکھتا ہے، رحمت اگرچہ ایک لفظ ہے، لیکن اس کی نورانی معنویت کا پھیلاؤ اور دوسرے معنوں سے لگاؤ (تعلق) ایک کائنات ہے، لہذا نظرِ رحمت

کی بہت ہی مختصر تعریف ذیل کی طرح ہے:-

۱۲، رحمت سب سے پہلے ”ایّاٰک نعبد وایّاٰک نستعین“ سے شروع ہو جاتی ہے، اس لئے یہ لذتِ بندگی اور نورِ تائید ہے، پھر یہ حلاوت اور روشنی کچھ آگے چل کر ایک ذاتی کائنات (عالمِ شخصی) بن جاتی ہے، جس میں بے شمار نعمتیں ہوا کرتی ہیں، اور اس کی سب سے بڑی نعمت ہے اللہ اور اس کے رسولؐ کا پاک عشق، مگر اس پُر حکمت عشق کو یہ بات ہر گز پسند نہیں کہ آپ کو مجنون بنا ڈالے، اور آپ معاشرے سے منقطع ہو کر راہِ بیابان اختیار کریں، اور دوسری لاتعداد نعمتیں ہیں، جن کی ایک سردارِ نعمت کا نام علم ہے، جس طرح ظاہری علم کی بدولت آج سائنسی چیزوں کی دنیا لوگوں کے سامنے لائی گئی ہے، اسی طرح خدائی علم کی برکتوں سے آپ کی ذات میں ایک پُر نور ذاتی دنیا کے ہونے میں کیا تعجب ہو سکتا ہے، اگر آپ کو اس بات پر یقین ہے تو پھر سن لیجئے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کو یاد کرنا درجہ بدرجہ ہے، جس کی ایک مثال یہاں درج ہوئی، اب رہا سوال مینافق کے بارے میں کہ اس کو کس معنی میں خدایا د نہیں فرماتا؟ تو اس کے متعلق صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ اس پر نظرِ رحمت نہیں ہوتی ہے۔

نصیر الدین نصیر (حُب علی) ہونزائی  
لندن

۱۱ صفر المنظر ۱۴۰۹ھ ۲۲ ستمبر ۱۹۸۸ء



# مختلف حکمتیں

۱۔ سوال: انسان کے دل میں ناخواستہ اور بے اختیار باتیں کیوں آتی ہیں؟ اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ جواب: دل زندگی اور حواس کا سرچشمہ ہے، اس لئے حیات و بقا اور شعور کی نہر جاری رہنے کے لئے اس میں کچھ ہونا ضروری ہے، چنانچہ دل جب آدمی کے باضابطہ استعمال کے بغیر ہوتا ہے، تو اس وقت موجودہ حالت و کیفیت کے مطابق اس میں تقویٰ یا فجور کی کوئی بات ڈالی جاتی ہے (۹۱) اسی لئے کہتے ہیں کہ دل میں جو بات گزرتی ہے، اس کی چار قسمیں ہیں: رحمانی، ملکی، شیطانی، اور نفسی، اور انہی چار وجوہ سے دل میں خود بخود کوئی بات ہونے لگتی ہے، وہ اگر رحمانی یا ملکی ہے، تو اسے القا یا اہام کہتے ہیں، شیطانی ہے تو وسوسہ، اور اگر نفسی ہے تو حدیثِ نفسی کہا جاتا ہے۔

۲۔ سوال: انفرادی اور ذاتی اعتبار سے توفیق اور ہدایت کی تعریف و شناخت کیا ہے؟ اور اس کا حصول کس طرح ممکن ہو جاتا ہے؟ جواب:

توفیق و ہدایت بہت سے درجات پر مشتمل ہے، مگر اس کی خاص صورت قرآنی ارشاد میں یہ ہے: کوئی مصیبت نہیں آتی ہے مگر خدا کے حکم سے، اور جو شخص اللہ پر (کامل) ایمان رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے قلب کی ہدایت کرتا ہے اور خدا ہر چیز کو خوب جانتا ہے (۶۴) یعنی جب بندہ مومن عبادت و ریاضت اور علم و عمل کے ساتھ راہ خدا کی ظاہری اور باطنی آزمائشوں سے گزر جاتا ہے، تو رب العزت اس کو خصوصی توفیقات و ہدایات سے نوازتا ہے۔

۳۔ انبیاء علیہم السلام کی دعائیں : انبیائے قرآن کے پُر حکمت قصوں میں اہل ایمان کی دینی زندگی کے لئے اعلیٰ اور عظیم نمونے موجود ہیں، انہی روشن مثالوں میں وہ دعائیہ کلمات بھی شامل ہیں، جن کو حضرات انبیاء بوقت شدائد و مصائب پڑھا کرتے تھے، یہ دعائیں ہر فردِ مسلم کے لئے آسمانی دار الشفا (ہیپتال، یعنی قرآن) کی بعض خاص ادویہ کی حیثیت رکھتی ہیں، کیونکہ یہ دعوات اللہ تبارک و تعالیٰ کے نزدیک پہلے بھی پسندیدہ اور مقبول تھیں، اور اب بھی ایسی ہی ہیں، مثال کے طور پر دیکھئے: لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ (۱۲۸) تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک و پاکیزہ ہے بیشک میں قصور وار ہوں۔



۴۔ ظہورِ عالمِ ذرّ : ذرّہ کی جمع ذرّے ہے، یعنی ذرات، ذرّہ ایک بہت چھوٹی سُرخ جیونٹی کا نام ہے، نیز ذرّہ غبارِ کاریزہ ہے، جو روشندان میں دھوپ کے اندر اڑتا ہوا نظر آتا ہے، ذرّہ کا ایک ہم معنی لفظ (مترادف) قرآن میں ہبّاء ہے (۲۵، ۵۶) چنانچہ عالمِ ذرّ کے معنی ہیں دنیائے ذرات، اور اس سے ذراتِ روح کی دُنیا مِلادے جو عالمِ صغیر بھی ہے اور عالمِ شغیر بھی، یاد رہے کہ اصل روحانی ترقی عالمِ ذرّ کے ظہور کے ساتھ شروع ہو جاتی ہے، یہ ظہور زبردست روحانی انقلاب ہے، اس سے پہلے جو تیز روشنیوں کا مشاہدہ ہوتا ہے، وہ محض بہت بڑا امتحان ہے۔

۵۔ حکمتِ منفیٰ نُما : قرآن حکیم کے ذُو وُجُوہ ہونے کا ذکر کتابِ "علمی علاج" میں ہو چکا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر آیتِ کرمیہ کے کئی معنوی پہلو (وجوہ) ہوا کرتے ہیں، اس کی ایک مثال سورۃِ واقعہ (۹۶) میں دیکھ لیجئے: اور پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ ہو جائیں گے پھر ذرّے بن کر اڑنے لگیں گے۔ یعنی روح، جو پہاڑ کی طرح منجمد تھی، اب اس کے انتہائی چھوٹے چھوٹے ذرات ہو کر پرواز کرنے لگے، اور ہر ذرّہ ایک زندہ روح ہے، کیونکہ عالمِ ذرّ کا ظہور انہی ذرات میں سے ہوتا ہے، اور یہی عالمِ ذرّ ہر آدمی کا نامہ اعمال بھی ہے جیسا کہ سورۃ فرقان (۲۵) میں ارشاد ہوا ہے: اور ہم ان کے ان کاموں کی طرف

جو کہ وہ کرچکے تھے متوجہ ہوں گے سوان کو ایسا کر دیں گے جیسا پریشان غبار (صبا ۲۵) یہ حکمت منفی نما ہے، یعنی ایسی حکمت، جو بظاہر منفی دکھائی دیتی ہے، مگر حقیقت میں منفی نہیں ہے، اس لئے کہ یہ درپردہ نامہ اعمال کے ایک عظیم راز کا تذکرہ ہے۔

۶۔ نامہ اعمال (کتاب اعمال): جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، نامہ اعمال دنیا کی کتابوں سے قطعی مختلف اور بڑا عجیب و غریب ہوگا، کیونکہ وہ بکھرے ہوئے ذراتِ روح پر مبنی ہے، جیسے سورہ بنی اسرائیل (۱۱۱) میں فرمایا گیا ہے (ترجمہ): اور ہم نے ہر آدمی کے نامہ اعمال کو اس کے گلے میں لگا دیا ہے اور قیامت کے دن ہم اسے اس کے لئے نکال دیں گے کہ وہ اس کو ایک بکھری ہوئی (منشور) کتاب کی صورت میں پائے گا (۱۱۱) آیت میں جس طرح لفظ منشور آیا ہے، اس کے معنی ہیں بکھری ہوئی کتاب، تاہم یہ کتاب اعمال کی ابتدائی شکل ہوگی، اور آگے جا کر اس کا ظہور ایک نورانی شخص کی طرح ہوگا۔

۷۔ انس و جن اور فرشتے: آپ قرآن حکیم کی روشنی میں معلوم کر لیں کہ انسان، جن، اور فرشتہ کبھی کسی مقام پر ایک ہو سکتے ہیں، یا نہیں؟ آیا ان کے آپس میں اس وقت کوئی رشتہ ہے؟ یا ہر ایک ازل ہی سے ایک جُدا گانہ مخلوق ہے؟ یہ اور ان جیسے دوسرے سوالات



بہت بڑی اہمیت کے حامل ہیں، چنانچہ اس بارے میں عرض یہ کرنا ہے کہ تخلیق دراصل دائرہ فطرت پر واقع ہو جاتی ہے، جس کو قرآن پاک نے خَلَقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقِ (تخلیق در تخلیق ۳۹) فرمایا، اور اس کی تفصیل سورہ مومنون (۲۳: ۱۲-۱۳) میں ہے، پس اسی مدور سلسلے کی آخری کڑی خلق آخر یعنی مخلوق لطیف ہے، اور وہ ارشاد یہ ہے: شَعَرِ الْاِنْسَانِ خَلَقًا اٰخِر (۲۳) پھر ہم نے اس کو ایک دوسری مخلوق (یا آخری درجے کی مخلوق) بنا دیا۔

#### ۸۔ درجہ کمال کی مخلوق: خلق آخر یا درجہ کمال کی مخلوق

انسان ہے، مگر جسم لطیف میں، اور یہی لطیف جسم جن بھی ہے اور فرشتہ بھی، جس کی چند دلیلیں یہ ہیں: الف: فرمایا گیا ہے: اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے بنایا، پھر ہم نے اس کو نطفہ سے بنایا جو کہ ایک محفوظ مقام میں رہا (یہاں جوہر خاک نہیں رہا، پھر ہم نے اس نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنا دیا) اب اس منزل میں نطفہ نہیں ہے، پھر ہم نے اس خون کے لوتھڑے کو بوٹی بنا دیا (یہاں لوتھڑا نہیں رہا، پھر ہم نے اس بوٹی کو ہڈیاں بنا دیا) اب وہ بوٹی یکسر بدل گئی، پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت چڑھایا (اس حال میں آدمی کی جسمانی تخلیق مکمل ہو گئی، اور وہ دنیا میں پیدا ہو کر مراحل زندگی میں آگے بڑھتا گیا) پھر ہم نے اس کو ایک دوسری ہی مخلوق بنا دیا (خلقا آخر، یعنی آخری درجے کی

مخلوق، یا مخلوق لطیف، اب یہ ہڈیوں اور گوشت سے آزاد ہے، کیونکہ اس ربانی تعلیم میں یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ ہر دوسری تخلیق میں پہلی حالت نہیں رہتی ہے۔

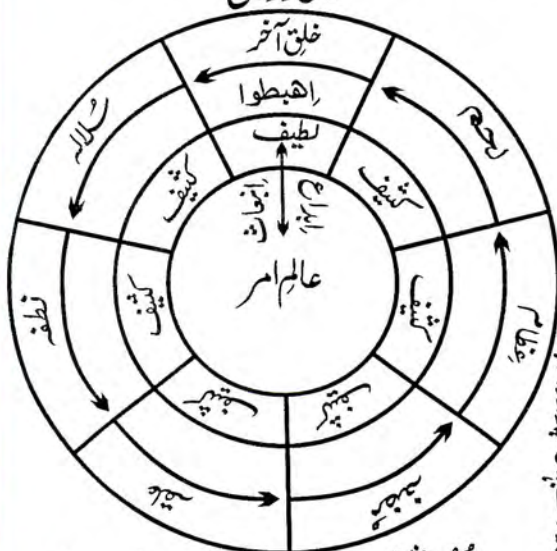
ب: ”مخلوقاً اخر“ (آخری درجے کی مخلوق) فرمانا ہی بجائے خود ایک روشن دلیل ہے کہ یہاں مخلوق لطیف، ہی کا ذکر فرمایا گیا ہے۔  
ج: فتبولک اللہ (تو خدا بہت برکت والا ہے)، یہ تیسری دلیل ہے، کیونکہ اس صفت خداوندی میں لطیف مخلوقات کو برکتوں سے نوازنے کا اشارہ ہے۔ د: چوتھی دلیل ہے احسن الخلقین (خدا جو تمام بنانے والوں سے بڑھ کر ہے)، اس لئے کہ خالق اکبر کی اس تعریف میں سب سے اعلیٰ مخلوقات کی تخلیق کا تذکرہ موجود ہے۔

۹۔ پروانہ اور ریشم کا کیڑا : اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے بے حساب عجائب و غرائب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کی کار فرمائی سے پروانہ اور ریشم کا کیڑا ایک دوسرے سے پیدا ہو جاتے ہیں، کہ ان دونوں میں سے پروانہ مخلوق لطیف کی مثال ہے اور کیڑا مخلوق کثیف کی، اور حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے ایک آگے اور ایک پیچھے نہیں، بلکہ دونوں برابر برابر دائرہ آفرینش پر گھوم رہے ہیں، یا یوں کہنا چاہئے کہ یہ دراصل ایک ہی مخلوق ہے، وہی اس دائرے پر گردش کر رہی ہے، یقیناً یہی قانون ہے، جو حضرت آدمؑ



اور روحانیین (روحانی کی جمع روحانیین ہے) سے فرمایا گیا، قلنا  
 اهبطوا منها جميعا (۲۸)، ہم نے حکم دیا کہ نیچے اترو اس بہشت سے  
 سب کے سب۔ غرض بہشت میں یہ سب لطیف تھے، مگر دنیا میں آکر  
 کثیف ہو گئے، نقشہ ذیل کو دیکھئے:-

تخلیق در تخلیق



اللہ الخلق والمرتبات بآیات اللہ رب العالمین (۲۸)  
 یاد رکھو کہ اللہ ہی کا ہے عالم خلق اور عالم امر، بہت برکت والہ ہے  
 خدا جو سائے جہاں کا پروردگار ہے۔

صُوبُ مَخْلُوقِ لَطِيف:  $\frac{2}{34}, \frac{2}{38}, \frac{2}{42}, \frac{2}{46}$

نصیر الدین نصیر (حسب علی) ہونزائی  
 لندن

سوموار ۱۴ صفر المظفر ۱۴۰۹ھ ۲۶ ستمبر ۱۹۸۸ء

# عقل و دانش کی فضیلت

۱۔ حدیث شریف میں ارشاد ہوا ہے کہ جب اللہ جل شانہ، عقل کو پیدا کیا تو اسے نطق بخشا اور اس سے کہا: آگے آ، وہ آگے آئی، پھر کہا: پیچھے جا، وہ پیچھے چلی گئی، پھر کہا: میرے عزت و جلال کی قسم! میں نے تجھ سے زیادہ محبوب کوئی شئی نہیں پیدا کی ہے، اور میں تجھے اسی کے اندر مکمل کروں گا، جو مجھے پسند ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک اور ارشاد اس طرح سے ہے: خدا تے بزرگ و برتر نے کسی مخلوق کو جو اس کے نزدیک عقل سے زیادہ باعزت ہو پیدا نہیں کیا۔

۲۔ عقل کے بارے میں حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: العقل عقلان۔ مطبوع و مسموع۔ عقل کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ جو طبیعت میں ودیعت کی جاتی ہے، اور دوسری وہ جو سن کر حاصل ہوتی ہے۔ ولا ینفع مسموع۔ اذا لم یکن مطبوع۔ اور جو سن کر حاصل ہوتی ہے وہ سودمند نہیں ہوتی، جبکہ طبیعت میں ودیعت کی جانے والی



عقل موجود نہ ہو۔ کمالاً یمنفع ضوء الشمس۔ وضوء العین ممتنع۔ جس طرح سے کہ آفتاب کی روشنی جب آنکھ میں روشنی نہ ہو تو بے فائدہ ہے (الغات القرآن، نعمانی، جلد دوم، ص ۱۴۷)۔

۳۔ عقل کا دوسرا نام لُب ہے، جس کی جمع الیاب ہے، یعنی عقلیں، لُب کے معنی اس عقل کے ہیں، جو ہر طرح کی آمیزش سے خالص ہو چونکہ لُب ہر چیز کے خلاصہ اور جوہر کو کہتے ہیں، اور عقل خالص بھی انسان کا خلاصہ و جوہر ہی ہے، اس لئے اس کا نام لُب ہوا، بعض لوگوں نے لُب کے معنی پاکیزہ کے بتائے ہیں، عرض ہر لُب عقل ہے لیکن ہر عقل لُب نہیں کہی جاسکتی، یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے ان تمام احکام کو جن کا صرف عقول ذکیہ ہی ادراک کر سکتی ہیں ”اولوا الالیاب“ ہی سے متعلق رکھا ہے (نعمانی)۔

۴۔ عقل کو نُھیۃ بھی کہتے ہیں، جس کی جمع النُہی ہے، نُھیۃ نہیں (یعنی روکنا، منع کرنا) سے ماخوذ ہے، عقل بھی انسان کو فعل قبیح اور غیر مناسب چیز سے روکتی ہے، اس لئے عقل کو نُھیۃ کہا گیا، اُولی النُھی (اہل عقل) کا لفظ قرآن حکیم میں دو دفعہ آیا ہے (۲۰، ۱۳۸)۔

۵۔ سورہ عنکبوت (۲۹) میں ارشاد فرمایا گیا ہے: وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالَمُونَ۔ اور ہم ان مثالوں کو لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں اور ان کو بس علماء ہی جانتے ہیں (۲۹) اس آیت کریمہ میں عقلِ کامل کا اشارہ ہے، جس کا شروع میں ذکر

ہوا، اور وہ علمائے ربّانی میں ہوا کرتی ہے، وہی حضرات خدا کی توفیق و تائید سے قرآنی مثالوں کو جانتے ہیں، پس ایسی عقل شریف کی بہت بڑی فضیلت ہوتی ہے، جو اس مقام پر کام کر رہی ہو۔

۶۔ عالمِ شخصی کی زمین ہی ارضِ روحانیت ہے، جس کے مشاہدات و مطالعات سے عقل کو کمال ملتا ہے، جیسا کہ ارشاد ہوا ہے: کیا یہ لوگ (عالمِ شخصی کی) زمین میں چلے پھرے نہیں تاکہ ان کے ایسے دل ہوتے جن سے سمجھتے، یا ان کے ایسے کان ہوتے جن کے ذریعے سے سُنتے، کیونکہ آنکھیں اندھی نہیں ہوا کرتیں بلکہ جو دل سینے میں ہیں وہ اندھے ہو جایا کرتے ہیں (۲۲) پس اس ارشادِ گرامی میں معرفتِ نفس (ذات) کی طرف دعوت دی گئی ہے تاکہ معرفتِ ربّ سے دیدہ دل ہمیشہ کے لئے روشن ہو جائے۔

۷۔ خود شناسی اور خدا شناسی کا دروازہ اور کہیں نہیں، صرف عالمِ نفسی (عالمِ شخصی) ہی میں کھل سکتا ہے، پھر اس کے بعد ایسے خوش نصیب لوگ آفاق میں بھی غور و فکر اور منتقل کر سکتے ہیں دیکھتے آئیہ کرمیہ کا ترجمہ: بلاشبہ آسمانوں کے اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے میں اور جہازوں میں جو کہ سمندر میں چلتے ہیں آدمیوں کے تفع کی چیزیں لے کر اور پانی میں جس کو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے برسایا پھر اس سے زمین کو زندہ کیا اس کے مرجانے کے بعد اور ہر قسم کے جانور اس میں پھیلا دیئے



اور ہواؤں کے بدلنے میں اور ابر میں جو آسمان و زمین کے درمیان  
 مستحضر تھا ہے دلائل ہیں اُن لوگوں کے لئے جو عقل رکھتے ہیں (۲/۱۳۶)۔  
 ۸۔ یہ بات آیہ مقدسہ ہی کی ایک حقیقی تفسیر ہے کہ دینی عقل و علم  
 سب سے بڑی پاکیزگی کا ذریعہ ہے، اور اس کے مقابلے میں جہالت و  
 نادانی سب سے بڑی ناپاکی ہے، اور یہ ہدایت و تعلیم سورۃ یونس  
 کے اس ارشاد کی ہے: وَيَجْعَلُ الرَّحْمَنُ عَلَى الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ  
 (۱۱۱) اور جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے ان ہی لوگوں پر خدا کفر و  
 جہالت کی، گندگی ڈال دیتا ہے (۱۱۱)، یعنی اسلام اور ایمان کے دائرے  
 سے باہر رہنا جہالت کی ایسی پلیدی ہے کہ وہ کسی طرح سے بھی دھل  
 نہیں سکتی۔

۹۔ ہمیں قرآن پاک ہی کی روشنی میں یہ بھی دیکھنا اور جاننا چاہئے کہ  
 ایسا بنیادی گناہ کونسا ہے، جس کے ہونے سے (بدی تو بدی ہی ہے)  
 نیکی بھی بدی بن جاتی ہے، اور ایسے مجرم کو آخر کار دوزخ میں جانا پڑتا  
 ہے؟ ہمارے اس سوال کا جواب سورۃ ملک (۶۱) سے ملتا ہے،  
 اور وہ فرمانِ خداوندی یہ ہے: وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا  
 فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ (۶۱) اور کہیں گے کہ اگر ہم بات سنتے یا عقل  
 رکھتے تو (آج) دوزخیوں میں نہ ہوتے۔ اس حکم سے یہ حقیقت روشن ہو  
 جاتی ہے کہ عقل ہی بہشت بھی ہے اور راہ بہشت بھی، اور جہالت دوزخ  
 بھی ہے اور دوزخ کی زنجیر بھی۔

۱۰۔ اب آپ قرآن مجید کے ان سولہ مقامات میں خوب غور سے دیکھیں، جہاں اولوالالباب (صاحبان عقل) کا تذکرہ فرمایا گیا ہے، کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے تمام نیکیاں اور خوبیاں عقلِ کامل سے متعلق کر کے رکھی ہیں، اور کوئی نعمت ایسی نہیں، جو عقل و دانش کے اس وسیع دستِ توان پر نہ چنی گئی ہو، کیونکہ عقل ہی کو حکمت کہا گیا ہے، اور حکمت وہ ہے، جس کے عطا ہونے کے ساتھ ساتھ خیرِ کثیر بھی عطا ہو جاتی ہے، آپ یہ بھی سن لیں، اور شادمان ہو جائیے کہ عقل و علم کا ایک مخفی نام نور ہے، ہاں، یہ حقیقت ہے کہ عقل جب درجہ کمال پر پہنچ جاتا ہے، تو اس کو اہل معرفت نورِ عقل کے نام سے جانتے ہیں، کیونکہ عقل، علم، حکمت، معرفت، ہدایت، نور، یقین وغیرہ جیسے بہت سے معانی حقیقت میں ایک ہی ہیں۔

۱۱۔ قرآن حکیم میں جا بجا درجات کا ذکر فرمایا گیا ہے، اور اس میں کوئی شک ہی نہیں کہ وہ درجے علم یعنی عقل اور عمل کی بنیاد پر ہیں (آپ دیکھ سکتے ہیں)، اور اس موضوع کی ایک آیتِ مبارکہ کا اشارہ یہ بتاتا ہے کہ درجاتِ عرشِ اعلیٰ تک جا پہنچتے ہیں (۴۸)، ان درجوں کی تعداد الگ الگ مثالوں کے اعتبار سے مختلف ہو سکتی ہے، تاہم سورہ مہاجر کے شروع میں جیسے ارشاد ہوا ہے (۳۶) اس کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ درجات پچاس ہزار برس پر محیط ہیں، یعنی ایک دورِ افتادہ انسان کو فنا فی اللہ ہو جانے کے لئے روح اور عقل



کے پچاس ہزار زینوں سے چڑھ جانا پڑتا ہے، اس مثال میں لوگوں کا تصور زمینہ زمینہ اور درجہ بدرجہ صحیح ہے، لیکن ارادۂ خداوندی کا بیان اس سے الگ اور خاص ہے۔

۱۲ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نورِ عقل اور نورِ ہدایت کے معنوں میں نورِ مُنزَل اور روشن چراغ تھے (۱۵، ۳۳) چونکہ آپ کا نور دراصل خدائی نور تھا، اس لئے ہم یقینِ کامل کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ عقل و دانش کی یہ آسمانی روشنی نہ صرف ظاہر ہی میں اہل ایمان کے اجتماعات کو جگمگا رہی تھی، بلکہ اس کا سب سے بڑا کام اور سب سے عظیم معجزہ یہ تھا کہ بہت سے دلوں کو منور کر دے، اور یقیناً ایسا ہی ہوا، کیونکہ بیماری دل میں ہوا کرتی ہے (جیسا کہ قرآن میں اس کا ذکر ہے ۲)، اور یہی مرض تاریکی بھی ہے، پس نور کا اصل کام بندۂ مومن کے دل میں ہے، اور وہ یہ کہ عقل و جان کی ہر گونہ ظلمت کو مٹا کر اس کی جگہ روشنی پھیلانے، تاکہ وہ اس باطنِ خوابِ غفلت سے جاگ اُٹھیں اور اپنا کام شروع کر سکیں۔

قلبِ سلیم اور قلبِ سقیم

نورِ عقل	ظلمتِ جہالت
نورِ اسلام و ایمان	ظلمتِ کفر و نفاق
نورِ ہدایت	ظلمتِ ضلالت

۱۳ قلبِ سلیم (صحت مند دل)، نورِ عقل کا نام ہے، اور قلبِ سقیم (بیمار دل)، ظلمتِ جہالت ہے، اور دونوں ضدین کے

ظلمتِ شرک	نورِ توحید	الگ الگ بہت سے نام
ظلمتِ جہالتِ نادانی	نورِ علم و حکمت	ہیں جن میں سے چند بطور
ظلمتِ نسیان و غفلت	نورِ ذکر و عبادت	مثال یہاں درج ہوئے
ظلمتِ باطل	نورِ حق و حقیقت	ہیں تاکہ اہل دانش کو یہ
ظلمتِ کذب و شک	نورِ صدق و یقین	قانون معلوم ہو کہ قرآن حکیم
ظلمتِ معصیت	نورِ اطاعت	کی ہر چیز (۲۶) یعنی ہر آیت
ظلمتِ بغض و عداوت	نورِ عشق و محبت	میں عقل و علم کا تذکرہ موجود
ظلمتِ گورِ باطنی	نورِ بصیرت	ہے، خواہ ظاہری بیان جس
ظلمتِ شر	نورِ خیر	شئی کا بھی ہو، مگر اس میں
ظلمتِ انکار (ناشناکی)	نورِ معرفت	عقل و دانش کے انمول

جو اہر پنہان ہیں۔

۱۳۔ اس دُنیا میں اگر مُفسِّل (شیطان) نے لوگوں کے سینوں تک رسائی کر کے اُن میں دوسووں کی ظلمت پھیلانی، تو پھر دوسری جانب سے بموجبِ عدلِ الہی یہ ضروری امر بھی ممکن ہو کہ ہادیانِ برحق بصورتِ نورِ ہدایت دلوں کی تاریکیوں کو مٹایا کریں، چنانچہ اس عظیم عمل کی ایک روشن مثال سورۃ النعام (۶۶) سے یہ ہے: اَوْ مَن كَانَ مِيتًا فَاحْيِيْهُ وَجَعَلْنٰهُ نُوْرًا يَّمْسِيْ بِهٖ فِى النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُہٗ فِى الظُّلُمٰتِ لَیْسَ بِخَارِجٍ مِّنْہَا (۶۶) ایسا شخص جو کہ پہلے مُردہ تھا، ہم نے اس کو زندہ بنا دیا اور ہم نے اس کو ایک ایسا نور دے دیا کہ وہ اس کے ذریعہ



لوگوں میں چلتا پھرتا ہے کیا ایسا شخص اُس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کی حالت یہ ہو کہ وہ تاریکیوں میں ہے ان سے نکلنے ہی نہیں پاتا۔  
 ۱۵۔ مذکورہ آیتِ کریمہ کی عظیم حکمت پر ایک حجاب ہے، اور وہ ہے: مَیْتًا، یعنی مُردہ، جس کے تین معنی ہیں: الف: سورۃ بقرہ (۲/۲۰۶) میں دیکھئے: وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا = اور تم بے جان تھے۔ ب: موت قبل از موت جو کامل انسانوں پر گزر جاتی ہے۔ ج: انسانِ کامل کی حیاتِ نورانی کے مقابلے میں سابقہ زندگی ایک مردگی سے زیادہ نہیں۔ اس کے بعد فی الناس کے معنی کو دیکھ لیں: آیا نور کی رسائی صرف یہی ہو سکتی ہے کہ لوگوں کے ظاہر میں چلے پھرے؟ یا اس کا کوئی بہت بڑا مقصد ہے؟ آپ اس میں خوب غور سے سوچ لیں۔

۱۶۔ حدیث شریف میں ارشاد ہوا ہے کہ: مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ خداوند تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔ ایسا مومن جو ایمان کے درجہ کمال پر ہو، کون ہو سکتا ہے؟ انسانِ کامل، یعنی ولی، اور دوسرے مومنین سب کے سب اس اعلیٰ مقام پر نہیں ہو سکتے ہیں، جبکہ اس کے حکم کے مطابق اُن کو مرتبہ نور سے ڈرنا چاہئے، مگر ہاں وہ ترقی کر کے مُرشِدِ کامل میں فنا ہو سکتے ہیں۔

۱۷۔ عقل اور علم کا کمال آیات و معجزات میں ہے، جو روحانیت میں ظہور پذیر ہو جاتے ہیں، اور پھر پورے روحانیت اس منزل سے شروع ہو جاتی ہے، جہاں اسرافیل بھی ہے اور عزرائیل بھی، اور جس میں

مردوں کو زندہ کر کے روحانی اور عقلی معجزے دکھائے جاتے ہیں، اور ایسا مشاہدہ کسی سعادتمند مومن کے لئے اُس وقت ممکن ہو جاتا ہے، جبکہ وہ اپنے نفس کے بیل کو علم اور عبادت و ریاضت کی چھری سے ذبح کر ڈالتا ہے (۲/۱)۔

۱۸ نورِ عقل ایک زندہ کلمہ ہوتا ہے، یہ صدیقین اور شہیدانِ روحانی کے دل و دماغ میں پُر نور و پُر حکمت باتیں کرتا رہتا ہے (۵۷/۱۹) جس کی ایک روشن مثال حضرت مریم علیہا السلام ہیں، کہ ان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نور بصورتِ ایک کلمہ اِلقا ہوا تھا (۲/۱۲۰) اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اس نور کو توحید کی بات کے عنوان سے اپنی اولاد میں کلمہ باقیہ قرار دیا تھا (۴۳/۳۳) غرض نور صرف چشمِ باطن ہی کی روشنی کا نام نہیں، بلکہ نور ایک ایسا آفتابِ بے مثل و نظیر ہے، جو تمام روحی اور عقلی قوتوں کو جگمگاتا ہے۔

۱۹ سکینت کہتے ہیں اطمینان، تسکین، اور تسلیٰ خاطر کو، اگر اطمینان اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے، تو یہ روحانی معجزہ کہلائے گا، اور ظاہری سکون سے بدرجہ ہا اعلیٰ ہوگا، چنانچہ قرآن حکیم میں ایسی عظیم الشان سکینت کے نزول کا ذکر فرمایا گیا ہے، مثال کے طور پر سورۃ افتح (۲۸/۴۸) میں دیکھئے، کہ اس میں سکینت کے ساتھ ساتھ کلمہ تقویٰ کا بھی تذکرہ ہے، یہ ایک اسمِ بزرگ تھا، جو مومنین کے دل و دماغ میں لازم کیا گیا، یعنی پہلے ذکرِ الہی کا سلسلہ زبردست کوشش



کے باوجود بار بار ٹوٹتا رہتا تھا، اب بفضلِ خدا سکینت کی وجہ سے نورِ ذکر خود از خود اپنے آپ کو دُہرائے اور الٹ (مسل) جاری ہونے لگا۔ ۲۔ سورۃ یاسین قلبِ قرآن ہے، اور اس کے آخر (۳۶) میں جو آیہ مبارکہ ہے، وہ اس سورے کا خلاصہ اور جوہر ہے، جس میں خدائی قول و فعل کے آغاز و انجام اور جوہر کائنات و موجودات کا اشارہ موجود ہے، اور وہ جوہر گوہر، خدا کے ہاتھ میں ملکوت ہے، جو عالمِ عقول ہے، جس میں عقلی وحدت پائی جاتی ہے، لہذا عالمِ عقل ایک ہی ہے، مگر اس میں بے شمار کی نمائندگی ہے، اور عقلی ظہورات کا بھی کوئی حساب نہیں، پس عقل و دانش کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ وہ ملکوتِ سماوی وارضی ہے، جس میں سب کچھ ہے، اور یہ صرف اُس شخص میں مکمل ہو جاتی ہے، جو اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے۔

نصیر الدین نصیر (حَبِ علی) ہوتزائی  
لنڈن

۱۹ صفر المظفر ۱۴۰۹ھ ۱ اکتوبر ۱۹۸۸ء

# اُمُّ الْکِتَاب

۱۔ جو نیک نجت لوگ دل و جان سے قرآن پاک پر ایمان و یقین رکھتے ہیں، ان کے لئے پروردگارِ عالمین نے اپنی اس بے مثال و لاثانی کتاب میں بیحد و بے حساب رحمتیں اور برکتیں رکھی ہیں، اور اس میں کوئی شک ہی نہیں کہ رحمتوں اور برکتوں کے ان رگزت ذخائر و خزانے میں ہر گونہ دوا و شفا بھی موجود ہے، اور یہاں یہ نکتہ خوب یاد رہے کہ جو کچھ متراسر قرآن مجید میں پھیلا ہوا ہے، وہ سب کا سب اُمُّ الْکِتَاب (سورۃ فاتحہ) میں مرکوز و یکجا ہے، چنانچہ اگر کسی مسلمان / مومن کو بطریق آسان قرآن حکیم کی نعمت شفا سے مستفیض و مستفید ہو جانا ہے، تو وہ ہمیشہ سورۃ شفا (یعنی سورۃ فاتحہ) سے رجوع کرے کیونکہ یہ اُمُّ الْکِتَاب اور جوہر قرآن ہے۔

۲۔ بہت سے عالموں نے حدیث: ”إِنَّ اللَّهَ جَمَعَ عُلُومَ الْاَوَّلِينَ وَالْاٰخِرِينَ فِي الْکِتَابِ الْارْبَعَةِ وَعُلُومَهَا فِي الْقُرْآنِ وَعُلُومُهُ فِي الْفَاتِحَةِ“ (بیشک اللہ تعالیٰ نے اگلے اور پھلے لوگوں کے علوم کو چار



کتابوں میں جمع کیا اور ان کتب کے علوم کو قرآن میں یکجا کر دیا اور قرآن کے علوم کو سورۃ فاتحہ میں مرکوز فرمایا، کے بعد اس قدر اور بڑھایا ہے کہ ”فاتحۃ الكتاب کے علوم کو بسم اللہ میں اور بسم اللہ کے علوم کو اس کے حرفِ با میں جمع کیا ہے۔“ اس کی توجیہ یوں کی گئی ہے کہ مقصود تمام علموں سے یہی ہے کہ بندہ اپنے پروردگار سے واصل ہو جائے، اور ”بسم اللہ“ میں حرفِ با بالصاق (رطانا) کے معنی میں آیا ہے، اس لئے یہ اشارہ بندہ کو جنابِ رب العزت سے مُصلصق کر دیتا ہے اور یہی بات کمالِ مقصود ہے (الاتقان، دوم، ص ۲۹۴)۔

۳۳ مذکورۃ بالا حدیث شریف کی تصریح و توضیح میں یہ ایک انتہائی عمدہ اور بید معقول توجیہ کی گئی ہے کہ جس طرح جملہ کتبِ سماوی کے علوم اور حکمتیں سورۃ شفا میں جمع ہیں، اور جیسے ان سب کا خزینۃ الخزان بسم اللہ میں اور پھر بسم اللہ میں لپیٹا ہوا ہے، اس کا مقصد و منشا اور اشارۃ آخرین یہ ہے کہ بندہ مومن سارے باطنی امراض سے محفوظ و سلامت اور شفا یاب ہو کر خداوندِ مہربان سے واصل ہو جائے، بالفاظِ دیگر فنا فی اللہ و بقا باللہ کا مرتبہ حاصل کرے، کیونکہ خدا کی خدائی میں جتنی عجیب و غریب اور بدرجۃ انتہا پر لذتِ نعمتیں ہیں، ان میں سب سے اعلیٰ اور سب سے بڑی نعمت بس یہی ہے۔

۳۴ اُمّ الكتاب کی بے شمار فضیلتوں اور خوبیوں کی بنا پر اس کے بہت سے اسمائے وصفی مقرر ہوئے ہیں، جیسے فاتحۃ الكتاب، فاتحۃ

القرآن (۲) کیونکہ اسی کے ساتھ مصحفوں کا افتتاح یعنی آغاز ہوتا ہے اور قرآنی تعلیم اور نماز کی قرأت کا شروع بھی اسی سورۃ سے ہوتا ہے، اُمُّ الْکِتَاب (۳) اور اُمُّ الْقُرْآن (۴) اس تسمیہ کی ایک وجہ یہ ہے کہ اُمُّ الشیء کسی چیز کی اصل کو کہا جاتا ہے، اور سورۃ الحمد قرآن کی اصل ہے اس لئے کہ اس کے اندر تمام قرآن کے اغراض اور اس کے جملہ علوم اور حکمتیں موجود ہیں، اور اس کے اس نام رکھنے کی یہ وجہ بھی بیان کی گئی ہے کہ وہ تمام سورتوں سے افضل ہے، چنانچہ جس طرح قوم کے سردار کو اُمُّ الْقَوْم کہتے ہیں، اسی طرح اس کو اُمُّ الْقُرْآن اور اُمُّ الْکِتَاب کہا گیا ہے، ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سورۃ کی عزت تمام قرآن کی عزت کے برابر ہے، اس لئے یہ نام رکھا گیا ہے، نیز کہا جاتا ہے کہ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ سورہ اہل ایمان کی جائے پناہ اور واپسی میں مجتمع ہونے کی جگہ ہے، جس طرح نشان فوج کو اُمُّ کہتے ہیں، کیونکہ فوج کے سپاہی اس کے زیر سایہ پناہ لیتے اور جمع ہوتے ہیں۔

۵۔ قرآن العظیم (۵)، اور السبع الثانی (۶)، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: هِيَ اُمُّ الْقُرْآن، وَهِيَ السَّبْعُ الثَّانِي، وَهِيَ الْقُرْآنُ الْعَظِيمُ۔ اُمُّ الْکِتَاب کا نام سبع الثانی اس لئے ہے کہ اس میں سات آیتیں ہیں، جو دہرائی جاتی ہیں، اور یہ قرآن عظیم اس وجہ سے ہے کہ وہ ان تمام معانی پر مشتمل ہے، جو قرآن میں پائے جاتے ہیں۔

۶۔ الوافیہ (۷)، کیونکہ قرآن کے تمام معانی اس کے اندر اچھی طرح



سے موجود ہیں، اکثر (۸) یعنی علوم اور حکمتوں کا خزانہ، کافیہ (۹) اس لئے کہ وہ نماز کے اندر بغیر دوسری سورۃ ملانے کے بھی کافی ہو جاتی ہے، مگر دوسری سورۃ بغیر اس کو ساتھ ملانے کے کفایت نہیں کرتی، الاساس (۱۰) کیونکہ قرآن کی اصل اور پہلی سورہ ہے، نور (۱۱) کیونکہ اس میں علم و حکمت کی روشنی ہے، سورۃ الحمد (۱۲) اور سورۃ الشکر (۱۳) اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور شکر گزاری اسی سے کی جاتی ہے۔

۷، سورۃ الحمد الاولیٰ (۱۴) اور سورۃ الحمد القصصی (۱۵) یعنی ابتدائی حمد اور مختصر حمد اسی سے ہو جاتی ہے، الرقیۃ (۱۶) الشفا (۱۷) اور الشفا فیہ (۱۸) کیونکہ اس میں ہر درد و بیماری کے واسطے رقیۃ یعنی منتر، شفا، اور صحت بخشی ہے، سورۃ الصلوٰۃ (۱۹) صلوٰۃ (۲۰) اور سورۃ الدعاء (۲۱) اس لئے کہ نماز اس سورہ پر موقوف ہے، اور بعض علما کا قول ہے کہ اس سورۃ کا ایک نام صلوٰۃ بھی ہے، اور اس میں دعا بھی شامل ہے، اور وہ اُھدنا ہے۔

۸ سورۃ السّوَال (۲۲) سورۃ تعلیم المسئلۃ (۲۳) سورۃ المناجاة (۲۴) اور سورۃ التفویض (۲۵) اس میں سوال بھی ہے، یعنی خدا سے مانگنا، اور طریقہ سوال بھی، جس کی بنیاد حمد و ثنا ہے، اس میں مناجات بھی ہے اور تفویض بھی، کہ بندہ ”وایاک نستعین“ کے معنی میں اپنا تمام معاملہ خدا کے حوالہ کر دیتا ہے۔

۹۔ اُمّ الکتاب کے مذکورہ بالا ۲۵ اسماء اور ان کی توجیہ و وضاحت کا حوالہ ہے: الاتفاق، اول، ص ۱۳۲-۱۳۵۔ اب ہماری اپنی معروضہ بول ہے کہ سورہ فاتحہ کی بے شمار رحمتوں اور برکتوں سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرنے کے لیے بیش از بیش یقین چاہئے، اور یقین کا انحصار علم ہی پر ہے، پس دانشمندی اسی میں ہے کہ آپ قرآن حکیم اور اُمّ الکتاب سے متعلق اپنی معلومات میں اضافہ کرتے رہیں، تاکہ قرآن خوانی، نماز، دعا، اور شفا کا عمل حقیقی معنوں میں ہو سکے، کیونکہ روحانی علاج ایمان و یقین کے بغیر ممکن ہی نہیں، جیسا کہ دعائم الاسلام، ثانی، کتاب الطب، فصل اول میں روایت مذکور ہے۔

۱۰۔ امام جعفر الصادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ ایک دن امیر مدینہ محمد بن خالد کے پاس تشریف لے گئے، پس اُس نے آپ سے اپنے درِ شکم کی شکایت کی، تو آپ نے فرمایا کہ میرے پدربزرگوار امام باقر علیہ السلام نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے، اور انہوں نے اپنے والدِ محترم امام زین العابدین علیہ السلام سے سُن لی تھی، اور یہ روایت حضرت علی علیہ السلام کے توسط سے ہے کہ ایک مرتبہ کسی شخص نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں درِ شکم کی شکایت کی، تو حضور نے فرمایا کہ شہد کا شربت بناؤ، اور اس میں تین یا پانچ یاسات سیاہ دانہ (کلونجی = حبۃ السودا) ڈال کر پی لو، خدا کے حکم سے تم شفا پاؤ گے، چنانچہ وہ آدمی اس پر عمل کر کے شفا یاب



ہو گیا تھا، لہذا تم بھی اس پر عمل کرو، اس وقت اہل مدینہ میں سے ایک شخص جو حاضر تھا معترض ہوا، اُس نے کہا کہ اے ابو عبد اللہ! یہ خبر تو ہم کو بھی پہنچی تھی، اور ہم نے اس پر عمل بھی کیا تھا، لیکن ہم کو کوئی فائدہ نہ ہوا، یہ سُننا تھا کہ ابو عبد اللہ علیہ السلام غضبناک ہو گئے، اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس علاج سے صرف اہل ایمان ہی کو فائدہ پہنچاتا ہے اور جو اس کے رسولوں کی تصدیق کرتے ہیں، ان کو فائدہ پہنچتا ہے، اور خداوند تعالیٰ اہل نفاق کو اور ان کو جو رسول کی تصدیق کے بغیر عمل کرتے ہیں، ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا.....

۱۱۔ قرآن پاک کی مقدس چیزیں تین قسموں میں ہیں: اسماء اللہ، آیات، اور سورتیں، پس اسماء میں جس طرح اسم بزرگ اعظم الاسماء ہے اسی طرح آیات میں آیۃ الکمرسی اعظم الایات، اور سورتوں میں سورۃ فاتحہ اعظم السور ہے، ہر چند کہ اسم اعظم (اعظم الاسماء) قرآن میں ظاہر نہیں، لیکن آیۃ اعظم، اور سورۃ اعظم ظاہر ہیں، لہذا ہر مومن پر واجب ہے کہ وہ جس شوق سے اسم بزرگ کو جانتا چاہتا ہے، اسی شوق سے اُم کتاب اور آیۃ الکمرسی سے فائدہ اٹھائے، کیونکہ جو بڑی بڑی نعمتیں عطا ہوئی ہیں، ان کی شکر گزاری اور قدر دانی کے بغیر دوسری عظیم تر نعمتیں نازل نہیں ہو سکتی ہیں۔

۱۲۔ کتاب قرآنی علاج میں عشق الہی کے عنوان کے تحت اُم کتاب کی عاشقانہ تفسیر کی گئی ہے، اور یہاں (ان شاء اللہ العزیز) اس کی عارفانہ

تفسیر کے لئے کوشش کی جاتی ہے۔۔

الف: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ: نقطہ بابائے بسم گوہر عقل کی مثال ہے اور وہی قلم الہی بھی ہے، جو مرتبہ ازل کی بلندی پر عارفوں کو خداوند رحمان و رحیم سے اصل کر دیتا ہے (کیونکہ اسم سمواً، بلند ہونا سے ہے) اور وہ گوہر کائنات و موجودات کی اصل و اساس بھی ہے، اور خلاصہ و لبّ لباب بھی، جس طرح نقطے سے دنیا سے حروف پیدا ہو جاتی ہے، اور پھر عقلی طور پر نقطے میں سمٹ جاتی ہے۔

ب: الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ: ہر شخص اپنی ہمت و رسائی کے مطابق خدا کی تعریف بیان کرتا ہے، اسی طرح اہل معرفت عالم لاہوت کے مشاہدہ انوار اور تحیر و جمال و جلال کی بنا پر اس کی حمد و ثنا کرتے ہیں، کیونکہ وہ دیکھتے ہیں کہ عقل و روح کی پرورش کے لئے پروردگار نے عالم شخصی میں انتہائی عمدہ اور اعلیٰ نعمتیں پیدا کی ہیں۔

ج: الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ: خداوند عالم کے ان دونوں ناموں میں آسمانی عشق و محبت کا ذکر ہے، جس کی بے پناہ لذتوں اور حلاوتوں کا احساس و ادراک ویسے تو ہر منزل میں ہوتا ہے، تاہم منزل اسرافیل میں محویت و فنایت کا جو مزہ ہے، وہ بے مثال اور ناقابل فراموش ہے۔

د: مَالِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ: آج دنیا میں ہر شخص اپنے اختیار کا مالک ہے، لیکن جب قیامت برپا ہو جائے گی، تو اس وقت کسی کا کوئی اختیار نہ رہے گا، پس اللہ تعالیٰ ہی فیصلہ اور جزا و سزا کا مالک ہوگا۔



ھ : اَيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اَيَّاكَ نَسْتَعِينُ : ہم نورِ معرفت کی روشنی میں تجھ کو واحد و یکتا جانتے ہوئے صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔

و : اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ : وہ اگرچہ خدا کی عنایت اور پیغمبرِ برحق کی رہنمائی سے ہدایت یافتہ ہیں، تاہم مُعلّمانہ طور پر اور مَن حیث القوم درخواست کرتے ہیں کہ ہمیں راہِ راست پر چلا، جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود ہادی تھے، مگر اپنی اُمت کی طرف سے یہ دعا کیا کرتے تھے۔

ز : صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ : اُن لوگوں کی راہ جن پر تُو نے عقل و جان کی سب سے خاص نعمتیں برسادی ہیں، اور ان تمام نعمتوں کا مقصدِ اعلیٰ معرفت ہی ہے۔

ح : غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ : جن لوگوں پر تیرا غضب ہوا ہے، ان کی راہ نہ ہو، اور نہ ان لوگوں کی (راہ) جو گمراہ ہو گئے ہیں، کیونکہ وہ تیرے پاک عشق و محبت کی نورانی دولت سے بے نصیب تھے، اسی لئے وہ راہِ حق سے بھٹک کر معرفت کے انمول خزانوں سے محروم رہ گئے۔

۱۳۔ ایک انتہائی اہم کلید کی حدیثِ شریف جس سے اہل علم باخبر ہیں یہ ہے : اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ۔ اعمال کا انحصار نیتوں پر ہے، یعنی اسلام میں اچھی نیت کی بہت بڑی اہمیت ہے، کیونکہ

کوئی بھی نیک عمل نیک نیت کے بغیر مقبول نہیں ہو سکتا، اور بندہ  
 مومن کا دل نیک نیتی سے معمور و روشن علم و معرفت ہی سے ہو جاتا ہے  
 پس ہر اس شخص کے دل میں اچھی نیت کا غلبہ ہوگا، جو اُمّ الکتاب کو  
 علم و معرفت کی روشنی میں پڑھتا ہو، اور اس کے فضائل و فوائد کا پختہ  
 یقین رکھتا ہو، کیونکہ جب کسی نیک نیت مسلمان کے لئے سورہ فاتحہ  
 کا حجاب اٹھایا جائے، تو وہ یقیناً اس کی خوبیوں سے عاشقانہ فدا ہو  
 جائے گا، اب ایسے میں اس کا قلب نور عشق سے متور ہونے لگے گا،  
 اور پھر نیت کی درخشانی، سبحان اللہ! اب آپ اسی طرح عشق سے  
 اُمّ الکتاب کو پڑھتے رہیں، جو ایک بہت مختصر سورہ ہے، مگر جامیت  
 جواہر میں ایک مکمل آسمانی کتاب ہے، بلکہ اُمّ الکتاب ہے، الحمد  
 للہ علیٰ منہ و احسانہ کہ اس سے بے شمار فائدے حاصل ہوں  
 گے، جن میں بیماریوں سے شفا یابی کی بہت بڑی نعمت بھی شامل  
 ہے۔

نصیر الدین نصیر (حُب علی) ہونزائی

کراچی

۲۸ صفر المنظر ۱۴۰۹ھ ۱۱ اکتوبر ۱۹۸۸ء



# معوذتان سے علاج

ار بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ سورہ فلق اور سورہ ناس کو معوذتان یا معوذتین کہتے ہیں، اس نام کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں پر حکمت سورتوں میں تمام شرور سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی پناہ لینے کی تعلیم دی گئی ہے، لہذا ان میں زبردست حفاظتی اور شفائی برکتیں اور تاثیرات موجود ہیں، آپ ان کے ہر لفظ میں بجاطور پر غور کرتے ہوئے دیکھیں اور متعلقہ احادیث صحیحہ اور تفاسیر میں بھی ان کے خواص پر نظر ڈالیں تاکہ اس معاذ (پناہ گاہ) پر کامل یقین ہو۔

۲۔ سورہ فلق میں سب سے پہلے لفظ ”قُلْ“ آتا ہے، جو قرآن عظیم کے ۳۳۲ مقامات پر مذکور و موجود ہے، یہ اللہ جل شانہ کا امر خاص ہے، کیونکہ اس میں پروردگار عالم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب فرما رہا ہے کہ اے رسول بطور تعلیم ذاتی طور پر بھی اور دیگر ذرائع سے بھی لوگوں سے کہو، پس آنحضرتؐ نے اپنی حیات طیبہ میں قولاً وفعلاً جو کچھ لوگوں کے سامنے پیش کیا، وہ حکم الہی یعنی قُلْ

کے تحت ہے، اس کے علاوہ رسول خدا نے جن معنوں میں دو گرا نقذ چیزیں اپنے پیچھے چھوڑی ہیں، اُن کے توسط سے بھی مذکورہ حکم کی تعمیل کا سلسلہ جاری ہے۔

۳۔ دوسرا لفظ اعوذ (میں پناہ لیتا ہوں) ہے، اس میں تین چیزیں مقصود ہیں، اوّل نیت، دوم قول، سوم عمل، اور ان کی سب سے کامیاب صورت علم و معرفت کی روشنی میں بن سکتی ہے، کیونکہ ایمان و ایقان اور عقل و دانش کے بغیر ہر قسم کی بُرائی سے بھاگ کر خدا کی پناہ گاہ تک پہنچ جانا، اور وہاں اپنے آپ کو محفوظ کر لینا ممکن ہی نہیں، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو علیم و حکیم ہے، پناہ گیر ہو جانے کے نمونے کو دین کی انتہائی بلندی پر رکھا، اور یہ بلندی حضور صلعم کی سنتِ مطہرہ ہے، یعنی کہیں نہیں فرمایا: قُولُوا اَعُوذْ، بلکہ فرمایا: قُلْ اَعُوذْ، یعنی اے رسول سب سے پہلے تم ہی کہو اور تم ہی کر کے دکھاؤ کہ اللہ کی پناہ لینے کا طریق کار کیا ہے۔

۴۔ جَدَبُ الْفُلُق: صبح کے پروردگار کے پاس، یعنی میں صبح ازل کے رب کے حضور میں پناہ لیتا ہوں، اگرچہ صبحیں بہت سی ہیں، لیکن وہ صبح سب سے زیادہ قابلِ ذکر اور انتہائی عجیب و غریب ہے، جو نورِ ازل کے طلوع ہو جانے کے ساتھ روشن ہوئی، کیونکہ اللہ کی حقیقی پناہ کسی خوش نصیب بندے کو وہاں ملتی ہے، جہاں وہ فنا فی اللہ ہو جاتا ہے، اسی مقام پر ایسا سا لک اسرارِ ازل و ابد کا کجا مشاہدہ کرتا ہے۔



۵۔ مَنْ شَرَّ مَا خَلَقَ : تمام خلق کردہ شر سے، اس آیت میں مجملًا ساری بُرائیوں سے بچنے کا تذکرہ ہے، یا یوں کہنا چاہئے کہ جو کچھ سورۃ فلق اور سورۃ ناس میں تفصیل سے ارشاد فرمایا گیا ہے، وہ بطریق اجمال مذکورہ دو آیتوں میں بیان ہوا ہے، اس سے یہ حقیقت روشن ہو گئی کہ فلق یعنی روحانیت اور ازل کی صبح (روشنی) ہی تمام شرور کی ظلمتوں کو مٹا مٹا کر ختم کر سکتی ہے۔

۶۔ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ : اور شبِ تاریک کی بُرائی سے جب وہ چھا جائے، غاسق اسم فاعل ہے، بمعنی تاریکی پھیلانے والا اور اس سے وہ شخص مراد ہے، جو بھالت و نادانی کی ظلمتوں کو پھیلاتا ہے، اور ایسا آدمی اندھیری رات سے کہیں زیادہ خطرناک ہے کیونکہ جتنی خیر علم و حکمت میں ہے، اتنا شرِ بھالت و نادانی میں ہے، پس قانونِ استعاذ کی رُو سے یہ ضروری اور لازمی ہوا کہ جاہل اور جہل سے گریز کر کے خدا کی پناہ لی جائے۔

۷۔ وَمِنْ شَرِّ النَّفَّاثَاتِ فِي الْعُقَدِ : اور میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں گمراہوں میں نفث کرنے والیوں کی بُرائی سے، اس کی تفسیر کے لئے ملاحظہ ہو: قاموس القرآن، ص ۶۰۹-۶۱۰۔

۸۔ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ : اور حسد کرنے والے کے شر سے جب حسد کرنے لگے، اس آیتِ کریمہ کی حکمت کا کہنا یہ ہے کہ بُرے لوگوں کی ظاہری بُرائیوں کے علاوہ باطنی بُرائیاں بھی تم پر اثر انداز ہو

سکتی ہیں، جس کی مثال یہاں حسد سے دی گئی ہے، کہ اگر حاسد کا حسد تیر کی طرح نہ آیا ہوتا تو اس کے سامنے سے ہٹ کر اللہ کی پناہ گاہ میں داخل ہو جانے کا حکم ہی نہ دیا جاتا، پس معلوم ہوا کہ شر ظاہری اور باطنی دونوں راستوں سے آسکتا ہے۔

۹. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ - قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ؛  
 کہو کہ میں لوگوں کے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں، یعنی اُس رب جلیل کی پناہ میں خود کو محفوظ و مامون رکھتا ہوں جو آدمیوں کی جسمانی، روحانی اور عقلی تربیت و پرورش کرنے کی کامل قدرت رکھتا ہے، جس کی عقلی نقیص خزا آن ازل سے آتی ہیں، کیونکہ ربوبیت کا سرچشمہ اعلیٰ وہیں ہے۔  
 ۱۰. اَهِلَّكَ النَّاسُ، اِلٰهَ النَّاسِ: لوگوں کے پادشاہ لوگوں کے معبود کی پناہ لیتا ہوں، یہاں لفظ اَهِلَّكَ (پادشاہ) میں قوانین خداوندی کی بہت بڑی اہمیت کی طرف اشارہ ہے، اور اسمِ الہ (معبود) میں عبادت کی طرف خاص توجہ دلائی گئی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ قوانینِ الہی کی پابندی اور حقیقی معنوں میں عبادت کے بغیر خدا کے حضور کسی کو کوئی پناہ نہیں مل سکتی ہے۔

۱۱. مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ: وسوسہ ڈالنے پیچھے ہٹ جانے والے (شیطان) کے شر سے، وسواس (وسوسہ انداز) اور خناس (پیچھے ہٹنے والا) شیطان کے ناموں میں سے ہیں، اور شیطاٰطین انسی و جتنی کی جتنی چکنی پیچڑی باتیں ہیں (۶۶) وہ سب کی سب وسوسہ میں شامل ہیں۔

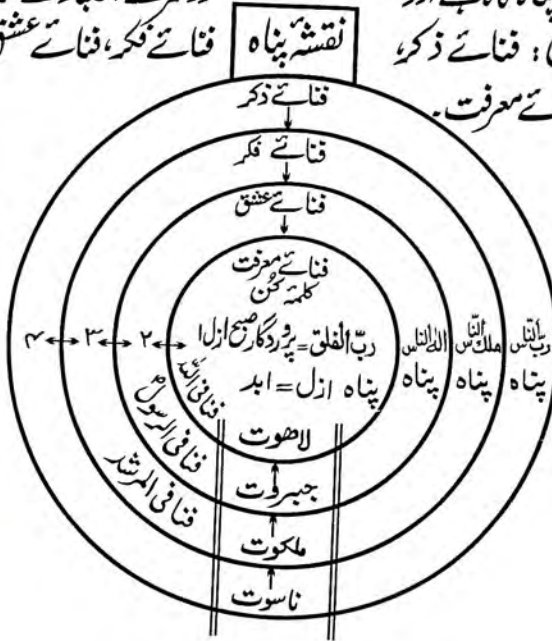


۱۲۔ الذی یوسوس فی صدور الناس، من الجنة والناس؛ جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے، وہ (خناس) جنوں میں سے ہو یا آدمیوں میں سے، اس سورہ میں شروع سے لے کر آخر تک جتنی پُر حکمت ربانی تعلیمات ہیں، وہ سب شرّ شیطان سے بچنے کے بارے میں ہیں، اور سورہ فلق میں یقیناً یہی باتیں اشارات میں ہیں، کیونکہ شرّ کی بنیاد ایک ہی ہے، اور وہ شیطان ہے، اور ہر قسم کی بُرائی جہاں بھی ہو اسی سے ہے۔

۱۳۔ اگر آپ ہر قسم کی بیماری سے محفوظ و سلامت رہنا چاہتے ہیں، اولاد، جان، اور مال کی حفاظت کو عزیز رکھتے ہیں، اور تمام بُرائیوں، بلاؤں، آفتوں، اذیتوں، اور مصیبتوں سے بچنے کے لئے خدائے قادرِ مطلق کی پناہ گاہ میں داخل ہو جانے کے خواہشمند ہیں، تو پھر بڑے شوق اور یقینِ کامل کے ساتھ معوذتین کو پڑھتے رہیں، اور اس کے خصوصی فیوض و برکات حاصل کرنے کے لئے درست معنی اور علم و حکمت لازمی اور ضروری ہے، تاکہ اس کے اصل خزانوں کا راستہ معلوم ہو، کیونکہ کسی سورت، آیت، یا اسم کی زبردست تاثیر و افادیت کا اصل راز اس کے معنی اور علم و حکمت میں پوشیدہ ہوا کرتا ہے۔

۱۴۔ آپ نقشہ پناہ کو دقتِ نظر سے دیکھیں کہ پناہ چار درجوں پر مبنی ہے، وہ درجے ناسوت، ملکوت، جبروت اور لاہوت ہیں، ناسوتی پناہ کی مثال ایسی ہے، جیسے کوئی مسلمان بوقتِ ضرورت کسی غیر اسلامی

ملک سے ہجرت کر کے مسیٰین کے درمیان پناہ لیتا ہے، یا کوئی مومن  
 ہنگامی طور پر خانہ کعبہ یا مسجد میں پناہ گیر ہو جاتا ہے، فنا فی المرشد  
 ملکوتی پناہ ہے، فنا فی الرسول جبروتی پناہ اور فنا فی اللہ لاہوتی اور  
 آخری پناہ گاہ ہے اور دوسرے اعتبار سے فنا میں  
 چار ہیں: فناء ذکر، فناء فکر، فناء عشق،  
 اور فناء معرفت۔



نصیر الدین نصیر (حسب علی) صوفی  
 ۲۳ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ ۵ نومبر ۱۹۸۸ء



# عشقِ سماوی

۱۔ خدا، رسولؐ، اور سردارِ مومنین کی محبت اگر حقیقی معنوں میں اور درجہ کمال پر ہے، تو یہ ہر لحاظ سے آسمانی عشق ہے، کیونکہ اس کا حکم کتابِ سماوی یعنی قرآن پاک میں ہے، اور اس کا ذکر جمیل اور عالیشان چرچا تمام آسمانوں کے فرشتوں میں ہوا کرتا ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں ارشاد ہوا ہے کہ: جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے سے محبت کرتا ہے، تو جبریلؑ کو ندا دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فلان سے محبت کرتا ہے، لہذا تو بھی اس سے محبت رکھ، تو جبریلؑ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر حضرت جبریلؑ تمام اہل آسمان کو ندا دیتے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ فلان کو دوست رکھتا ہے، تم بھی اسے دوست رکھو، تو آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر دُنیا میں بھی اس کی مقبولیت پیدا کر دی جاتی ہے (بخاری دوم، کتاب بدء الخلق، حدیث ۴۴۲)۔

۲۔ دُنیا میں جن لوگوں کا کوئی مذہب نہیں، وہ تو لادین کہلاتے

ہیں، ان کے وہاں نہ تو اللہ تعالیٰ کی دوستی کی کوئی منطق بنتی ہے، اور نہ دشمنی کی، کیونکہ وہ تو سرے ہی سے خدا کو نہیں مانتے، باقی لوگ جو اہل ادیان ہیں، وہ سب کے سب خداوندِ عالم کی دوستی کا دعویٰ کر رہے ہیں، لیکن سنتِ الہی کے مطابق کسی کا یہ دعویٰ اُس وقت حق بجانب ہو سکتا ہے، جبکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامل اطاعت کرے، اور یہ قرآن حکیم ہی کا فیصلہ ہے (۳۱) اور یہاں یہ بھی ایک بنیادی نکتہ ہے کہ پیغمبرِ برحقؐ کی محبت کے بغیر کوئی حقیقی اطاعت نہیں۔

۳۱ رسول اکرمؐ کا ارشاد ہے: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أكونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ = اُس ذاتِ پاک کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، کہ تم میں سے کوئی ایماندار نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے باپ اور اس کی اولاد سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں (بخاری، حصہ اول، کتاب الایمان) غرض حقیقی محبت اور عشقِ سماوی سے متعلق آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی اس کثرت سے ہیں، کہ یہاں ان سب کا کسی طرح سے بھی احاطہ ممکن نہیں۔

۳۲ حق بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت، اور اس کے محبوبِ رسولؐ کی محبت کی تقدس و ملکوتی تعلیم اُس زندہ دانشگاہ سے مل سکتی ہے، جس کو تصوف کی زبان میں مرشدِ کامل کہا جاتا ہے، کیونکہ آسمانی عشق جس طرح جملہ امراضِ باطن کے لئے سب سے بڑا اور انتہائی مؤثر نسخہ کیمیاء ہے، اسی طرح اس کا حصول بھی انتہائی دشوار ہے، اور اس



حقیقت کی دلیل ظاہر ہے کہ فنا فی اللہ براہِ راست ممکن ہی نہیں، مگر بواسطہ فنا فی الرسول، اور فنا فی الرسول غیر ممکن ہے، اللہ بواسطہ فنا فی المرشد، کیونکہ اُلُوہیّت کا دروازہ نبوّت ہے، اور نبوّت کا باب ولایت، اے میرے عزیز! کیا آپ نے یہ نہیں پڑھا ہے کہ آسمانوں کے دروازے ہو اُکرتے ہیں؟ آیا یہ دروازے آسمانِ باطن کے نہیں ہیں (۱)؟ ورنہ ظاہر کی آسمان کے بند دروازے کہاں ہیں؟

۵۔ اس حقیقت سے کسی مومن کو ذرا بھی شک و شبہ نہیں ہو سکتا کہ دینِ فطرت (اسلام) میں انبیاء علیہم السلام کے بعد صدیقین یعنی اولیاء کا درجہ لازمی ہے (۲)۔ لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ آیا ہر ولی راہِ مستقیم پر پیغمبرِ خدا کے پیچھے پیچھے اور لوگوں کے آگے آگے نہیں ہوتا؟ کیا متعلقہ آیہِ کرمیہ (۳) کا نقشہ پیروی ذیل کی طرح نہیں بنتا؟

### صراطِ مستقیم

مُطِيعِينَ	←	صَالِحِينَ	←	شُهَدَا	←	أُولِيَا	←	أَنْبِيَا
------------	---	------------	---	---------	---	----------	---	-----------

۶۔ یقیناً عشق و فنا کے تین درجے ہیں: ولایت، نبوّت، اور اُلُوہیّت، آپ نے قرآنِ حکیم اور حدیثِ شریف میں اولیاء اللہ کے فضائل کو خوب غور سے دیکھا ہوگا، جیسے سورہ یونس میں ارشاد ہوا ہے:

الْآتِ اَوْ لِيَاۤءِ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (۶۶)  
 یاد رکھو کہ اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوتے  
 ہیں (وہ جو ایمان کامل رکھتے ہیں اور منتفی ہیں، ان کے لئے دنیوی زندگی  
 میں بھی اور آخرت میں بھی خوشخبری ہے۔ ۱۰: ۶۳-۶۴) خوف کا تعلق  
 مستقبل اور ابد سے ہے، اور غم ماضی و ازل کی محرومیوں سے متعلق ہے  
 لیکن اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کو اسرارِ ازل و ابد کا بیجا مشاہدہ کراتا ہے،  
 جس میں وہ حضرات اپنی انائے علوی کو خوف و غم سے بالاتر اور آزاد دیکھتے  
 ہیں، کیونکہ وہاں ایسی لازوال بہشت ہے کہ اس میں تمام نعمتیں بلا کم و  
 کاست ہمیشہ موجود ہیں۔

، جب پروردگارِ عالم کی جانب سے کسی ولی کو خوشخبری  
 آتی ہے، تو وہ عملی اور انفرادی نوعیت کی ہوا کرتی  
 ہے، ایسی خوشخبری کے معنی ہیں: خیال، خواب، روحانیت، اور بیداری  
 میں پیہم عالم لطیف کے عجائب و غرائب کا احساس و ادراک ہونا، جس  
 میں عقل و روح کی حکیمانہ مخاطبت اور تمام اسرارِ عظیم کی معرفت شامل ہے  
 اور یہاں یہ نکتہ خوب یاد رہے کہ ہر پیغمبر ولی (خدا کا دوست) ہوتا ہے،  
 مگر ہر ولی کا پیغمبر ہونا ضروری نہیں، چنانچہ مذکورۃ بالا آیہ کریمہ (۶۶) میں  
 تمام خدا کے دوستوں (انبیاء و صدیقین) کا ذکر ہے، لہذا اس کی  
 وضاحت اور بشارت، روحانیت اور عقلانیت کی جملہ منزلوں پر محیط ہو  
 جاتی ہے، یعنی پیغمبروں کے ساتھ ملا کر ذکر کرنے کی وجہ سے اولیاء



کی روحانیت بھی انتہائی بلندی پر لازمی ہوتی ہے۔  
 ۸۔ آسمانی عشق ایک نور ہے، ایک مؤید فرشتہ، ایک روحانی سوزش و جنبش، ایک میٹھا دردِ وجودائے گلّی ہے، ایک قیامتِ صغریٰ جو سراسر بیداری اور آگہی ہے، ایک نعمتِ بہشت جو صرف روحِ شغنی ہے، ایک زالی خوشبو جس میں تمام خوشبوؤں کا جوہر ہے، ایک انمول موتی جس سے علم و حکمت کی نہریں جاری ہو جاتی ہیں، ایک نورِ شیدِ نور جس میں عقل و جان کی معموریت ہے، ایک روح پرور غلیانی لذت، ایک بلند ترین بصیرت، ایک انتہائی مفید عزرائیلی معجزہ، ایک رقتِ انجیز اور اشکِ اور اسرافیلی ساز، ایک عظیم الشان ملکوتی غلغلہ، ایک سماوی تطہیر جو نورِ عشق کی شعاہوں سے ہوتی ہے، ایک خاموش دُعا جس میں دیدارِ الہی مطلوب ہے، ایک برقِ طور کا بٹی کر نٹ، ایک پیرا، بن یوسفی، ایک پُر حکمت محویت و فنایت، ایک مژدہ حیاتِ سرمدی، ایک صدائے بازگشتِ عرشِ معلّٰی، اور ایک رحمتِ خداوندی۔

۹۔ عشقِ سماوی علم و حکمت اور ذکر و عبادت سے ہر بار تروتازہ ہوتا رہتا ہے، اور یہی وہ واحد وسیلہ ہے، جس سے حجاباتِ جلالِ جبروت و لاہوت اٹھا دیئے جاتے ہیں، کیونکہ طورِ ازل پر جو تجلی ہوئی تھی، اس کے زیرِ اثر کوہِ عقل کے لاقدراد گوہر پارے ہوتے تھے، جو سب کے سب قرآنِ حکیم میں موجود ہیں، پس اگر چہ ہم بصیرت سے ایسے کسی نیگینے میں دیکھا جائے، تو یقیناً اس میں تجلیِ ازل کا عرفانی

عکس نظر آئے گا، اور یہ قرآن عظیم کا سب سے بڑا ظاہری معجزہ ہے اور اسی علمی دیدار سے آپ ہمیشہ عشقِ حقیقی کو تروتازہ کر سکتے ہیں۔

۱۰۔ تین مراحل کی فناؤں میں سب سے زیادہ دشوار ”فنائی المرشد“ کا مرحلہ ہے، کیونکہ اول تو حقیقی اور کامل مُرشد کی پہچان کوئی آسان بات ہے نہیں، اور اگر خوش نصیبی سے ربانی مُرشد مل گیا، تو پھر بھی محویت و فنایت حاصل نہیں ہو سکتی، تا آنکہ علمی و عرفانی کوشش کے نتیجے میں اس کی پوشیدہ خوبیوں کا یقین کامل نہ ہو، اور دل میں آتشِ عشق نہ لگ جائے، اور اگر اللہ تبارک و تعالیٰ کی تائید سے یہ جملہ مشکلات آسان ہو جاتی ہیں، تو پھر ان شاء اللہ، یہ علامت آگے جانے کی خوشخبری ہے۔

۱۱۔ خدائی عشق کی تشبیہ و تمثیل آگ سے دی گئی ہے، چنانچہ جب کوئی آدمی ایمان، علم، اور تقویٰ کے معنوں میں ابنِ آدم قرار پاتا ہے، تو اس وقت آسمانِ روحانیت سے نارِ مقدس نازل ہو کر اس کی قربانی (گو سپندِ نفس) کو کھا لیتی ہے، جس طرح حضرت ہابیل علیہ السلام کی قربانی قبول ہوئی تھی (۵/۲۷)، اور یہ ایک عظیم روحانی واقعہ ہے، تاہم اس کی جزوی مثالیں بھی ہیں، یعنی معجزہ عشق کے بہت سے ذیلی درجات ہیں، تاکہ لوگوں کے باطنی امراض کا کم کم علاج ہوتا رہے۔

۱۲۔ سوال: حدیث شریف میں ہے: مَنْ أَحَبَّ الْقُرْآنَ فَلْيُبَشِّرْ۔ جس شخص کو قرآن سے محبت ہو اس کو خوشخبری ہے (دارمی فضائل القرآن، اس ارشاد سے یہ حقیقت روشن ہو جاتی ہے کہ قرآن



پاک کی محبت بیحد ضروری ہے، پھر یہاں یہ سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ آیا ایسی محبت کے وسیلے سے فنا فی القرآن ممکن ہے، جبکہ یہ سامنے موجود ہے؟ جواب: جی ہاں، بالکل ممکن ہے، مگر یہ فنا الگ نہیں، بلکہ مذکورہ تین فناؤں کے ساتھ ساتھ ہے، پس ہر دانشمند پر واجب ہے کہ وہ ”موتوا قبل ان تموتوا“ کے حکم پر عمل کرے، تاکہ اپنے آپ کو قرآن مجید میں فنا شدہ پائے، اور ایسے ہیں عشق سماوی کے کمالات و معجزات، پس یہی عشق تمام امراض باطن کے لئے سب سے بہترین نسخہ کی میا ہے۔

نصیر الدین نصیر (حُبِّ علی) ہونزائی

۹، ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ ۲۰ نومبر ۱۹۸۸ء

# خواب اور خزان

ا۔ ویسے تو روحانیت کے موضوعات سب کے سب زبردست  
دکھش و مسرت انگیز ہوا کرتے ہیں، اور اگر حسن اتفاق سے اس  
میں خزانہ یا خزان کا قصہ بھی چھڑ جائے تو پھر اس کا تجلّٰی معنوی اور  
کمال حقیقی نقطہ شروع پر پہنچ جاتا ہے، کیوں نہ ہو جبکہ خزانوں ہی سے  
ہر چیز پیدا ہو جاتی ہے، اور خزانوں ہی میں ہر شی جمع ہو جاتی ہے  
(۱۵) اور خزانے کی سب سے بڑی تعریف و مثال یہ ہے کہ پروردگار  
عالم بذاتِ پاک خود ایک مخفی خزانہ تھا، جیسا کہ حدیثِ قدسی کا یہ  
ارشاد مشہور ہے :-

کُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًّا فَاحْبَبْتُ اَنْ اَعْرِفَ فَاَخْلَقْتُ الْخَلْقَ۔  
میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا میں نے چاہا اور پسند کیا کہ پہچانا جائوں  
پس میں نے خلق کو مخلوق کیا۔ یعنی جسمانی تخلیق کے بعد روحانی تخلیق  
کی، کیونکہ عام خلقت سے خدا شناسی کا مقصد پورا نہیں ہو سکتا  
تھا، جب تک کہ عارفین پیدا نہ ہو جائیں، اس بزرگ عظیم میں بدقت



تمام سوچنے کی ضرورت ہے کہ خداوندِ عالم کن اعلیٰ معنوں میں گنجِ مخفی تھا اور ہے؟ اور عارفوں کو خدا کس طرح مل جاتا ہے؟

۲۔ جو نیک بخت سالک عارف مرتبہ فنا فی اللہ کو حاصل کرتا ہے، وہ ہمیشہ کے لئے کنزِ مخفی میں داخل ہو جاتا ہے، اور بحکم ”من کان للہ کان اللہ لہ“ (جو خدا کا ہو جائے تو خدا بھی بطورِ خالص اسی کا ہو جاتا ہے) اسے حیاتِ طیبہ سرمدی مل جاتی ہے۔

۳۔ جب اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس گنجِ ازل ہے، تو پھر اُس کی اسی پسندیدہ سنت و عادت کے مطابق ہر اسم ایک کنز، ہر کلمہ ایک گنجینہ، ہر آیت ایک دینہ، اور ہر سورت ایک خزانہ ہے، یہاں تک کہ انبیاء و اولیاء بھی خزانِ الہی کہلاتے ہیں، مثال کے طور پر حضرت آدم علیہ السلام قصہ قرآن میں پہلا خزانہ ہیں، قس علیٰ ہذا۔

۴۔ قرآن حکیم میں کنوز و خزان کا پُر حکمت ذکر موجود ہے، اس کے علاوہ جہاں جہاں در و دیوار اور قفل و کلید جیسے الفاظ آتے ہیں ان کا واضح اشارہ بھی خزانوں ہی کی طرف ہے، کیونکہ یہ ساری چیزیں خزانوں سے متعلق ہیں

۵۔ حدیثِ شریف کی کتابوں میں دعائے ”لا حول“ کا ذکر کثرت سے آیا ہے، اور ارشاد ہوا ہے کہ یہ کلمہ بہشت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے، اور المستدرک، جزء الاول، کتاب الدعاء میں ارشاد ہوا ہے کہ اس میں ننانوے (۹۹) بیماریوں کی دوا ہے، ان میں سب

سے معمولی بیماری غم (ہتھ) ہے، یقیناً اس میں روحانی طاقت ہوگی جس طرح کسی ظاہری بینک میں مالی طاقت جمع رہتی ہے، اور یہاں یہ نتیجہ بھی اخذ کر لینا ہے کہ جب لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے، تو پھر کسی شک کے بغیر بہشت کے دوسرے تمام خزان بھی کلماتی، روحانی، علمی، عرفانی اور عقلی کیفیت میں ہیں۔

۶ خواب اور خزانے کے اس موضوع کا مقصد یہ ہے کہ اگر آپ واجبی طور پر کوشش کریں تو ان شاء اللہ، آپ خواب میں ایسے کسی خزانے کے عجائب و غرائب کا کوئی نمونہ دیکھ سکتے ہیں، اس کی بنیادی شرط تقویٰ ہے، پھر آپ سورتوں، آیات، کلمات، اور اسماء میں سے کوئی ایک چند دن کے لئے کثرت سے پڑھا کریں، تاکہ اس کا مخصوص فیض خواب میں بیداری میں حاصل ہو، اسی طرح نوبت، نبوت اور جد ابدیت سے خزانوں کی روحانی اور علمی جھلکیاں دیکھ سکتے ہیں، اور اس سلسلہ عمل کے بے شمار فائدے ہیں۔

۷ جب جب بندہ مومن نورانی خواب دیکھتا ہے، تو اکثر اس کو یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ یہ کس نیک عمل کا جزوی اجر و صلہ تھا، جو خداوند عالم کی طرف سے عطا ہوا؟ کیونکہ اس کے نیک اقوال و افعال مخلوط ہو کر تھے ہیں، جیسے کوئی معجون اور مرکب دوا کہ بیماری کے لئے مؤثر و مفید تو ہے، لیکن سوائے طبیب اور کیمسٹ (CHEMIST = دواساز)



کے کسی کو کیا معلوم کہ اس میں کیا کیا اجزاء ہیں، یا اس کی مثال ایسے رس سے دی جاسکتی ہے جو کس پھلوں سے تیار کیا گیا ہو، یا کئی عطرول کا آمینختہ اور مجموعہ اس کی مثال ہے۔

۸۔ یہاں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ کسی سورۃ، یا آیت، یا کلمہ، یا اسم کو کس طرح اور کتنی بار پڑھنا چاہئے؟ اس کا جواب قرآن حکیم (۱۱۱) میں اس طرح ارشاد ہوا ہے: وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی یاد کرتے ہیں کھڑے بھی بیٹھے بھی اور لیٹے بھی۔ اور یہ بابرکت یاد روح کی زبان سے عاجزی اور خوف کے ساتھ ہو یا کم آواز سے ہو (۱۱۵) اور کم از کم ایک گھنٹے تک مسلسل جاری رہے، تو تب کوئی وظیفہ دل میں اتر کر اثر انداز ہو سکتا ہے۔

۹۔ کسی دعا کی تعداد معلوم کرنے کی ایک مثال ملاحظہ ہو: لا - جو۔ ل - و - لا - قوۃ - ا - لا - با - للہ - ا - لعلی - ا - لعظیم۔ پس اس کلمہ کے پندرہ ٹکڑے ہیں، چنانچہ اس خزانے کا موکل (مقرر کردہ فرشتہ) پندرہ، ایک سو پندرہ، پندرہ سو، پندرہ ہزار اور پندرہ لاکھ کے کسی مقام پر مل سکتا ہے، اور یقیناً اس گنج روحانی کے عجائب و غرائب کا مشاہدہ بیداری میں نہیں تو خواب میں ضرور ہو سکتا ہے۔

۱۰۔ تعداد کی دوسری مثال: الوہاب (عطا فرمانے والا) - ا - ل - و - ہ - ا - ب = ۱ + ۵ + ۶ + ۳۰ + ۱ = ۴۲ = ۱۰۰۰ × ۴۲ = ۴۲۰۰۰، کیونکہ

فرشتہ اعظم کا عدد ایک ہزار ہے، لہذا بیتا الیس کو ہزار سے ضرب دیا گیا، اب اس اعتبار سے اسم الوہاب کا ورد ۴۵ ہزار پر جا کر اپنا کام کرنے لگے گا، اور خواب و بیداری میں اس کی بشارتیں ملیں گی۔

۱۱۔ تیسری مثال: قرآن حکیم میں ایک بڑا عدد پچاس ہزار ہے (۵۰) جس میں عروج و ارتقا کا ذکر فرمایا گیا ہے، اور وظیفہ خوانی بھی اسی مقصد کے لئے ہے، پس اگر کوئی مختصر کلمہ ہے، یا کوئی اسم ہے، تو اسے پچاس ہزار بار پڑھنا چاہئے، تاکہ اس کا خزانہ خواب میں معلوم ہو جائے (ان شاء اللہ العزیز)۔

۱۲۔ چوتھی مثال: اللہ تعالیٰ کے ایک لاکھ چوبیس ہزار بیغیر ہوئے ہیں، اور اس تعداد میں بہت بڑی حکمت ہے، کہ انسانیت اتنی ساری دینی منزلوں سے گزر کر حضرت خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات عالی صفات تک پہنچ گئی ہے، اس لئے یہ عدد بڑا مبارک اور اوراد کا ایک آخری مرحلہ ہو سکتا ہے، جس میں کامیابی کی ضمانت ہے۔

۱۳۔ پانچویں مثال: پیامہ وقت اور گنتی کے بغیر بھی ذکر کامیاب ہو سکتا ہے، چنانچہ میں نے کچھ برس پہلے ایک دن کسی حساب کے بغیر درود شریف یعنی اللہم صل علی محمد و آل محمد کا ورد کثرت سے کیا، جس کے نتیجے میں رات کو بڑا عجیب خواب دیکھا، ایک تیز اور صاف ستھری ہوا مجھے آسمان کی طرف غمودی



پرواز دے رہی تھی، کافی بلندی پر پہنچتے ہوئے سوائے زبردست شادمانی کے اور کسی چیز کا احساس نہیں ہوا، اور یہ خزانہ درد کا ایک پُر حکمت کرشمہ تھا، اور اس کا اشارہ بڑا عجیب و غریب ہے۔

۱۴۔ پھٹی مثال: اچھے خواب بہت زیادہ ہیں، لیکن قصہ ایسے خوابوں کا ہے، جو کسی مخصوص وظیفہ کے تحت ہوں، چنانچہ میں نے ۲۱ نومبر ۱۹۸۸ء کی رات بعد از عبادت ایک بہت ہی اٹوکھا خواب دیکھا، میں چند عزیزوں کے ساتھ (جن میں عزیزم غلام قادر بھی ہیں) ایک مقام پر ہوتا ہوں، ہم کسی نشیبی علاقے سے کچھ سامان کے ساتھ آہستہ آہستہ بلندی کی طرف چڑھتے جاتے ہیں، راستے میں کچھ بھیڑ بگیاں دکھائی دیتی ہیں، جو زندہ اور چلتی پھرتی تو ہیں، مگر بہت غمگین ہیں، کیونکہ ان کے جسم پر کھال کا نام و نشان نہیں ہوتا، میں بڑی حیرت سے پوچھتا ہوں کہ ان کو کیا ہو گیا ہے؟ کوئی شخص جواباً کہتا ہے کہ: ان کی کھال اُتاری گئی ہے تاکہ اون، بال اور کھال سے فائدہ ہو، میں نے پھر پوچھا کہ: آیا یہ بیچارے جانور بہت جلد نہیں مریں گے، جواب ملا: نہیں، کچھ وقت کے بعد ان کی جلد اور اُس پر سب کچھ بحال ہو جائے گا۔

ہم وہاں سے کچھ اور اوپر جا کر ایک جگہ تازہ دم ہونے کی خاطر بیٹھ گئے، اتنے میں مجھے یوں محسوس ہوا کہ میرے منہ میں کوئی چیز ہے، اسے نکالنا چاہتے، سو میں نے دست راست نے اس چیز کو کھینچا، اور

باہر نکال کر دیکھا، تو یہ موتیوں کا ایک انتہائی خوبصورت ہار تھا، میں جب بیدار ہوا تو خیال آیا کہ میں نے لاحول کثرت سے پڑھا تھا، اسی لئے یہ معنی خیز خواب دیکھا۔

۱۵۔ اے عزیزِ من! اگر آپ سچے دل سے قرآن و حدیث کے عاشق ہیں تو خزانِ حکمت سے علی اللہ وام فیوض و برکات حاصل کرتے رہنا، کیونکہ اس مبارک عمل میں نہ صرف باطنی بیماریوں سے محفوظ و سلامت رہنے کا راز پوشیدہ ہے، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ دوسرے لاتعداد فائدے بھی ہیں، توبہ سے سُن لیجئے، خدا کی خدائی میں جو بے شمار خزانے ہیں، وہ درحقیقت کس کے لئے ہیں؟ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے بے نیاز و برتر ہے، وہ ہر چیز کا مالک تو ہے ہی، لیکن عنایت کر دینے کے معنی میں، اس کا سب سے روشن ثبوت یہ ہے کہ وہ بذاتِ پاک خود عارفوں کا گنجِ مخفی ہے، اور اس میں عقل والوں کے لئے کافی بلیغ اشارے ہیں۔

نصیر الدین نصیر (حُبِّ علی) ہونزائی  
کراچی

۱۷ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ ۲۸ نومبر ۱۹۸۸ء



# مقبول دُعاؤں

۱۔ جہاں روحانی علاج سے بحث ہو رہی ہے، اور جیسے خواب و خزانہ کا ذکر ہوا، وہاں کوئی ہوشمند ضرور یہ سوال کرے گا کہ آیا کوئی ایسا مختصر اور آسان طریقہ ہے، جس کی روشنی میں ہر مومن کو قرآن مجید کی خاص اور مقبول دُعاؤں کی معرفت حاصل ہو سکے؟ تاکہ اُن مبارک و مستجاب کلمات کے فیوض و برکات سے اہل ایمان کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف کاملاً متوجہ ہو، پھر بلائیں رد اور مشکلات آسان ہو جائیں؟

۲۔ اس مناسب سوال کا جواب یہ عرض کرتا ہوں کہ اس کے دو طریقے ہیں، ایک طریقہ بڑا مشکل ہے، اور دوسرا آسان، جو مشکل ہے اس کا تعلق روحانیت اور معرفت ذات سے ہے، لہذا یہاں اس سے بحث نہیں کرتے، کیونکہ بات پہلے اسی کی ہونی چاہئے جو آسان ہے چنانچہ قرآن پاک کی خاص اور مقبول دعاؤں کی شناخت کا آسان طریقہ ذیل کی طرح ہے:-

۳۔ حدو ثنا : جہاں قرآن حکیم میں کسی سورۃ یا کسی آیت کا

آغاز خدائے بزرگ و برتر کی حمد و ثنا اور تسبیح و تہلیل سے ہوتا ہے، وہاں علم و حکمت کے بہت سے پہلوؤں میں سے ایک پہلو دعائے خاص سے متعلق ہوتا ہے، جیسے سورۃ فاتحہ کا آغاز ہے۔

۴۔ اللّٰهُ؛ چند مقبول دعائیں اسم پاک "اللّٰهُ" سے شروع ہو جاتی ہیں، جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب حواریین کے سوال پر نزولِ ماندہ (دسترخوان) کے لئے رب العزت کی بارگاہِ عالی میں درخواست کی، تو اس وقت آپؐ نے یہ دعا اللّٰهُ کے بابرکت اسم سے شروع کی (۱۱۶)۔

۵۔ رَبَّنَا / رَبِّی؛ ویسے تو قرآن پاک میں رَبَّنَا / رَبِّی کے الفاظ برسبیل بیان بھی کثرت سے آئے ہیں، لیکن جہاں جہاں یہ اسمِ ندا کے طور پر مذکور ہیں، وہاں یقیناً مخصوص و مستجاب دعائیں موجود ہیں جیسے سورۃ بقرہ کے آخر میں ہے: رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا .... (۲۶۱) اور اسی طرح کی بہت سی آیاتِ کریمہ ہیں، جن کے شروع میں دعائیہ اسم آیا ہے۔

۶۔ اللّٰهُ؛ لفظ "اللّٰهُ" اسم ذات کا قائم مقام ہے، چنانچہ یہ بزرگ نام جب خصوصی تعریف و توصیف کے ساتھ آتا ہے، تب وہ آیہ کریمہ ایک خاص دعا قرار پاتی ہے، جیسے آیت الکرسی کے آغاز میں ہے: اللّٰهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ .... (۲۵۵)۔

، لَا إِلَهَ؛ جن مبارک کلمات کی اساس باری تعالیٰ کی توحید پر



قائم ہے، وہ بھی زبردست مؤثر دعائیں اور خاص اذکار ہیں ہمال کے طور پر حضرت یونس علیہ السلام کی دعا: لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ (۲۱)۔

۸۔ قُلْ: پھر قُل (سورہ کافرون، سورہ اخلاص، سورہ فلق، سورہ ناس)، اور بعض ایسی آیات مقدسہ، جو لفظ قُل سے شروع ہوتی ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ اور مقبول دعاؤں میں سے ہیں، کیونکہ قُل (کہہ) کے دو معنی ہیں: لوگوں سے کہنا اور دعا کے طور پر کہنا یا پڑھنا، جیسے سورہ طہ میں حکم ہے: وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا (۲۱) اور آپ یہ دعا کیجئے کہ اے میرے رب میرے علم میں اضافہ فرما۔ دوسری مثال: قُلِ اللَّهُ شَعَرٌ ذَرُّهُم (۱۱) (طبی تفسیر: جب مخالفین تم کو دوسووں کی صورت میں اذیت دینے لگیں، تو دل ہی دل میں اللہ اللہ کا ورد کرتے رہو تاکہ تم ان لوگوں (یعنی دوسووں) کو پیچھے چھوڑ کر آگے جاسکو۔ ۹۔ صَلُّوا عَلَيْهِ: بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے پیغمبر پر درود بھیجتے ہیں اے ایمان والو تم بھی نبیؐ پر درود بھیجا کرو اور سلام بھیجا کرو جیسا کہ حق ہے (۳۳) اس امر خداوندی سے صلوات کی بہت بڑی اہمیت ظاہر ہو جاتی ہے کہ صلوات خدا کی خدائی میں بتقاضائے حکمت اتنی ضروری ہے کہ اسے خود پروردگار عالم اور اس کے ملائکہ بھیجا کرتے ہیں، اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ مومن کی درود خوانی آسمانی درود سے اصل ہو کر کوئی بڑا کرشمہ دکھا سکتی ہے، اللہم صَلِّ عَلٰی

محَمَّدٌ آلِ مُحَمَّدٍ -

۱۰. دعا ہائے انبیاء علیہم السلام : جس طرح حضرات انبیاء اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ بندے ہیں، اسی طرح اُن کی وہ تمام دعائیں بھی منتخب و مقبول ہیں، جو قرآن حکیم میں مذکور ہیں، چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کی مبارک دعا کے دو پہلو ہیں، ایک ظاہری ہے (۱/۲۳۱) اور دوسرا روحانی (۲/۲۳۱) اس دوسرے حوالے کے مطابق آپ کو جن پاک و پاکیزہ کلمات کی تعلیم دی گئی تھی، وہ کلماتِ تامّات اور اسمائے عظام تھے، اسم اعظم اگرچہ ایک ہی ہوتا ہے، تاہم اس کے تحت یا اس کے خزانے میں بہت سے اسماء الحسنیٰ ہیں، پس حضرت آدمؑ کو خدا کے جملہ بزرگ ناموں اور کلماتِ تامّات کا علم عطا ہوا تھا، اور یاد رہے کہ توبہ کے اصل معنی رجوع کرنا اور لوٹنا ہیں، جس کے کئی مقامات ہیں، اور اس کا آخری مقام ازل ہے، چنانچہ توبۃ آدمؑ کی حقیقت یہ ہے کہ آپؑ مذکورہ علم کے وسیلے سے مشاہدۂ اسرارِ ازل تک رسا ہو گئے اور اللہ کے اسم صفتِ توّاب کے حقیقی معنی یہی ہیں (۲/۲۳۱)۔

۱۱. ایک عجیب دعا : حضرت نوح علیہ السلام کی ایک پُر حکمت دُعا کا ترجمہ یہ ہے : اور نوحؑ نے کہا کہ اے میرے پروردگار کافروں میں سے زمین پر ایک باشندہ بھی مت چھوڑ (کیونکہ) اگر تو ان کو روئے زمین پر رہنے دے گا تو تیرے بندوں کو گمراہ ہی کر دیں گے اور ان کی اولاد بھی گنہگار اور کٹی کافر ہی ہوگی (۲۴/۲۴۱) سوال :



یہ کس نوعیت کی دعا ہے؟ ہنگامی؟ یاد دہانی؟ اگر یہ مانا جائے کہ طوفان میں سب کافر ہلاک ہو گئے تھے، تاہم سوال اپنی جگہ باقی ہے کہ جس زمین کو کفر کی نجاست سے پاک ہونے کی دعا کی گئی تھی، اس میں کفار کیسے پیدا ہو گئے؟ اس کا کوئی جواب نہیں، لیکن صرف ایک ہی جواب ہے کہ یہ حضرت نوح علیہ السلام کے عالم شخصی کی زمین (روحانیت) کی بات ہے، جس پر سے کافر ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئے تھے۔

۱۲۔ امد و اشارہ : یہاں یہ نکتہ بھی جاننا چاہیے کہ بعض آیاتِ کریمہ میں ذاتِ سبحان کی عبادت اور اس کی تحمید و تمجید کا حکم صریح موجود ہے، جبکہ بعض دوسری آیتوں میں اس عمل کے لئے صرف اشارہ ملتا ہے، مثال کے طور پر سورۃ احزاب (۳۳) میں سبحان اللہ کی تسبیح کا واضح حکم دیا گیا ہے، مگر اس کی انتہائی اہمیت کا ذکر ان آیاتِ مبارکہ کے اشاروں میں موجود ہے، جو ہر چیز کے تسبیح کرنے پر دلالت کر رہی ہیں، اور ایسی آیات کئی ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ تسبیح ہر شئی کی بقائے معنوی کا ذریعہ ہے، ورنہ وہ نیست و نابود ہو جائے گی، اور کائنات و موجودات کے حق میں یہی بہت بڑی اہمیت صلوٰۃ و سجدہ کی بھی ہے (۲۴۱، ۱۶)۔

۱۳۔ مومنین کی دعائیں : مثال : حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنَعْمَ الْوَكِيلُ (۳، ۱) خدا ہمارے واسطے کافی ہے اور وہ کیا ہی اچھا کار ساز ہے۔ اس بابرکت دعا سے خوفِ بیجا کی بیماری زایل ہو جاتی

ہے، اور دل اطمینان و سکون کا مسکن قرار پاتا ہے۔

۱۴۔ **فواتح و خواتم** : سورتوں کے افتتاحات اور اختتامات

(فواتح و خواتم) حکیمانہ عجائب و غرائب سے بھرپور ہیں، اور ان میں سے بعض میں خاص خاص دعائیں بھی ہیں، مثلاً الحامدات (یعنی الحمد سے آغاز ہونے والی سورتوں)، اور مُسَبِّحات (سُبْح سے شروع ہونے والی سورتوں) کے اوائل میں دعائیں ہیں، جیسا کہ اس کا ذکر ہو چکا کہ جہاں بھی خداوند تعالیٰ کی تحمید و تسبیح ہو، وہاں دعا کی صورت بنتی ہے، یہ سورتوں کے فواتح میں خاص خاص دعائیں، کلمات، یا تسبیحات ہونے کی بات ہوئی، اور اب خواتم کے بارے میں کچھ عرض کرتے ہیں کہ جس طرح درخت شروع شروع میں خلاصہ اور جوہر ہوا کرتا ہے، درمیان میں درخت ہوتا ہے اور پھر آخر میں جوہر یعنی بیج یا تخم پیدا ہوتا ہے، اسی طرح نہ صرف قرآن ہی بلکہ ہر سورہ اپنے اول و آخر میں ست، اُتسب لباب، اور جوہر ہے، اسی مثال سے ہر سورہ کے خاتمہ کی اہمیت و عزت کو سمجھ لیں۔

۱۵۔ آپ سورہ رحمان کے آخر میں دیکھ لیں : تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ

ذی الجلالِ والاكرام (۱۵۸) تمہارا پروردگار جو صاحبِ جلال و کرامت ہے، اس کا نام بڑا بابرکت ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا اسمِ اعظم، جس کا اشارہ الحیّ الیقّوم میں ہے، جس کے نور کی روشنی میں تمام اسماء الحسنیٰ کا یقین ہو جاتا ہے، وہ عقلی، عرفانی، علمی، اور روحانی فیوض و برکات کا سرچشمہ ہے، چنانچہ سورہ رحمان میں جتنی نعمت ہائے عظمیٰ



کا ذکر ہوا، وہ سب کی سب اسی بزرگ اسم کی برکتیں ہیں، پس جو شخص اللہ کے اسم اکبر کی معرفت حاصل کرے، وہ ہمیشہ کے لئے سماوی برکتوں سے مالا مال ہوگا، اس کی نیک دعائیں قبول اور تمام دینی مرادیں پوری ہوں گی، وہ ہر باطنی بیماری سے محفوظ و سلامت رہے گا۔

۱۶۔ اس سلسلے کی مزید معلومات کے لئے حدیث شریف اور فقہ کی کتاب طیب میں بھی دیکھ لیں، اور ہر مقبول دعا یقین کامل کے ساتھ کریں، کیونکہ پاکیزہ قول (یعنی علم و عبادت)، خدائے بزرگ و برتر کی بارگاہ عالی کی جانب بلند ہو جاتا ہے، اور نیک عمل اسے اٹھا کر لے جاتا ہے (۳۵)، تاکہ وہ کُن فیکون میں فنا ہو، اور دستِ قدرت کوئی کام کرے، پس خصوصی اور مقبول دعا صاحبِ عرش (خدا) کے حکم سے بہت سے مفید کارنامے انجام دے سکتی ہے۔

نصیر الدین نصیر (حُب علی، ہونزائی)

۳ جمادی الاول ۱۴۰۹ھ ۱۳ دسمبر ۱۹۸۸ء

# حکمتِ عزرائیلؑ

۱۔ نتیجہ خیز سوالات: اے میرے عزیز! کیا آپ نے قرآن حکیم میں حضرت عزرائیل علیہ السلام اور اُس کے لشکر کے باب میں غورو فکر کیا ہے؟ آپ یہ وضاحت کریں کہ نفسانی موت اور جسمانی موت کے درمیان کیا فرق پایا جاتا ہے؟ کس قسم کی موت کے نتیجے میں عزرائیلؑ اور دیگر فرشتوں کی معرفت ممکن ہے؟ بجز وی موت کس حالت کو کہا جاتا ہے؟ نیند کے بارے میں قرآن مجید کا کیا ارشاد ہے؟ اگر نیند موت ہے تو یہ کس قسم میں شامل ہے؟ روحانی (نفسانی)؟ یا جسمانی؟ آیا قرآن پاک میں روحانی شہادت کا کوئی ذکر موجود ہے؟ اگر ہے تو سورۃ اور آیہ کونسی ہے؟ آیا فرشتہ موت سب کا فقط ایک ہی ہے؟ یا ہر شخص کا ایک ذاتی عزرائیلؑ ہوا کرتا ہے؟ عزرائیلؑ ہر آدمی پر کس معنی میں مَوکَل (مقرر ۳۲) ہے؟

۲۔ کیا یہ حقیقت ہے کہ نیند ایک قسم کی موت ہے، اس لئے سنانے کا مَوکَل عزرائیلؑ ہی ہے؟ پھر جگانے کا کام کس فرشتے کے سپرد ہے؟ اسرافیلؑ؟ حضرت عزرائیلؑ کس طرح کسی کی روح قبض



کر لیتا ہے؟ اور اس کے لشکر کا کیا کردار ہوتا ہے؟ جو لوگ حادثات میں مرتے ہیں، ان کی جان کس طرح قبض کی جاتی ہے؟ آیا جانوروں کی موت بھی عزرائیلؑ ہی کی نگرانی میں واقع ہوتی ہے؟ کیا یہ بات درست ہے کہ ایک کامیاب مومنین سالک منزل عزرائیلی میں اپنی روحانی موت کا تفصیلی مشاہدہ کر سکتا ہے؟

۳۔ آپ عزیزوں نے کتاب "قرآنی علاج" میں جراثیم اور قوت عزرائیلی کے مضمون کو باریک بینی اور رمز دانی سے پڑھا ہوگا، وہ بید ضروری موضوع ہے، لہذا آپ اسے پھر ایک بار پڑھ لیں، تاکہ حکمت عزرائیلیہ آپ کے لئے زیادہ سے زیادہ قابل فہم ہو سکے، کیونکہ حضرت عزرائیل علیہ السلام کے بھیدوں کے جاننے میں مومنین کے لئے بے شمار فائدے ہیں، مثلاً یہ جاننا کیا کم ہے کہ ہر شخص میں عزرائیلؑ کا ایک عکس (COPY) ہے، جس کو قوت عزرائیلیہ کہتے ہیں، یہ وہی قوت ہے جس سے اہل دانش اپنے اندر جراثیم کشی کا کام لے سکتے ہیں، آپ دوسروں کو بھی جراثیم کہہ سکتے ہیں، جن کا خاتمہ قوت عزرائیلی ہی کر سکتی ہے جبکہ حقیقی معنوں میں اس کو ذکر الہی سے حرکت دی جاتی ہے، اور کسی شک کے بغیر یہی طاقت دوسرے تمام جراثیم کو بھی ہلاک کر ڈالتی ہے، کیونکہ ہلاکت جہاں بھی ہو، اور جس چیز کی بھی ہو، وہ بس عزرائیلؑ ہی کا کام ہے اور یہ بڑی جامعیت کے ساتھ ایک جواب ہے۔

۴۔ شمس (سورج) فی الاصل آسمان میں ایک ہی ہے، مگر زمین پر

اس کے مقابل آئینے جس کثرت سے بھی ہوں گے، اُن میں اسی کثرت سے شُموس دکھائی دیں گے، چنانچہ حضرت عزرائیلؑ عالمِ علویٰ میں صرف ایک ہی ہے، تاہم اس کی زندہ تصویریں، جو اثر انگیزی اور فعالیت میں یکتا ہیں، تمام لوگوں میں موجود ہیں، پس اسی معنی میں مَلِکُ الموت ہر شخص پر مُوکل اور مقرر ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ عزرائیلؑ صرف جان لینے کی غرض سے ہماری موت کے دن کا منتظر نہیں، بلکہ اس کے اور بھی بہت سے کام ہیں، جیسے آرام کے وقت ہم پر تیندُ مسلط کر دینا، ذکر کے دوران دُوسلوں کو مٹانا، ذکر کے ذکر یا اسمِ اعظم کو قلب سے مرفوع کر کے پیشانی (دماغ) تک پہنچا دینا، کلمہ تقویٰ کو لازم کر دینا، تطہیر و تزکیہ کا عمل، بدنی روح کو کائنات میں پھیلاتے ہوئے کائناتی روح کو بدن میں ڈالنا، جراثیم یا امراض کی روح کو قبض کر لینا، وغیرہ۔

۵۔ آپ سورۃ حۃ التجدہ (۳۱-۳۲) میں خوب غور سے دیکھ لیں کہ خدا شناس مومنین پر فرشتے نازل ہوتے ہیں، مگر یہ بہت بڑی سعادت راہِ روحانیت پر منزلِ عزرائیلی سے پہلے نصیب نہیں ہوتی، کیونکہ بندہ مومن پر ملکوت کا دروازہ نفسانی موت ہی کی بدولت کھل جاتا ہے، اور خوب یاد رہے کہ ایسے میں دوسرے بڑے فرشتے اور ان کے لشکر بھی ساتھ کام کرتے ہیں۔

۶۔ سورۃ نازعات کے شروع کی پانچ آیاتِ کریمہ (۹-۱۵) کے ترجمہ



و تفسیر کے بعد ان کے حکمتی پہلو کو بھی دیکھ لیجئے: قسم ہے ان فرشتوں کی جو (خلیہ خلیہ میں) ڈوب کر جان کھینچتے ہیں، اور قسم ہے ان فرشتوں کی جو روح کے بند کو کھولتے ہیں (یعنی انسانی جسم میں روح کا ایک سرا آزاد ہے، جو خواب میں لا تعلق ہو جاتا ہے، اور دوسرا ہر جسم کے ساتھ بندھا ہوا ہے، جس کی وجہ سے نیند کے دوران وہ نکل ہی نہیں سکتا، اور قسم ہے اُن فرشتوں کی جو روح کو لے کر تیسح سے پرواز کر جاتے ہیں، پھر وہ فرشتے روح کو مکان اور زمان سے آگے لے جاتے ہیں، پھر وہ ملائکہ اس روح کو امر ازل کی تدبیر کے سپرد کر دیتے ہیں، یعنی اُس انتہائی اعلیٰ مقام پر جملہ امرا ازل کا تجدّد و اشغال ہو جاتا ہے، کیونکہ تدبیر امر کا اشارہ کلمہ کُن کے تجدّد کی طرف ہے۔

۱۔ ایسا کوئی مسلمان شاید کہیں بھی نہ ہو گا جو اس حقیقت سے انکار کرے کہ قرآن پاک علم و حکمت کی ایک بہشت ہے، یقیناً اس میں اپنی نوعیت کی تمام نعمتیں موجود ہیں، اور اس میں رجبِ مختوم بھی ہے (۹۳)، جس کی مہر سے مشامِ جان کو کستوری کی خوشبو آتی رہتی ہے (۹۴)، چنانچہ ایک ایسی بابرکت آیت **وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ (۱۵)** کی ہے، جس کا ایک مختصر مطلب یہ ہے کہ خزانِ الہی میں سب کچھ موجود ہے، اور ان سے متعلق جتنا کسی کا علم ہوگا، اتنی وہاں سے چیزیں نازل ہو سکتی ہیں، تاہم اس سلسلے میں مشاہدہ ازل و امرا ازل سب سے بڑا انقلاب ہے، چونکہ یہ تجربہ عالمِ شخصی ہی میں ہوتا ہے، جو مراتبِ روحانی کی زمین ہے، لہذا

مذکورہ مشاہدہ اُن چیزوں میں شامل و شمار ہوتا ہے، جو خداوند عالم کے ازلی خزانوں سے اُترتی ہیں، اور یہاں یہ نکتہ دل پذیر خوب یاد رہے کہ معجزہ تجددِ ازل زمان سے متعلق تمام سوالات اور الجھنوں کو یکسر ختم کر ڈالتا ہے۔

۸ مذکورہ صدر لاہوتی خزانوں میں ہر بیماری کے لئے کئی کئی نسخہ ہائے کیمیا بھی موجود ہیں، اور اُن میں ایک خاص نسخہ حکمتِ عزرائیلؑ ہے، پس آپ ہر نماز کے بعد تسبیحِ فاطمہ علیہا السلام کو پڑھ کر یہ تصور کریں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے عزرائیلؑ اور اس کے لشکر آپ کے جسم و روح کی بیماریوں کو کھینچ کر نکال رہے ہیں، اور اسی کے ساتھ جراثیم بھی ختم ہو رہے ہیں، وہ مبارک تسبیح یہ ہے: ۳۳ بار اللہ اکبر، ۳۳ بار الحمد للہ، ۳۳ بار سبحان اللہ، اور ایک بار لا الہ الا اللہ (دعائے الاسلام جزو اول ص ۲۰۳، عربی)۔

۹ عزرائیلؑ علیہ السلام کا صوتی وجود ایک بولتا اسمِ اعظم ہے، اور یہی اسمِ اکبر کلمۃ تقویٰ بھی ہے، جس کا تذکرہ سورۃ فتح (۲۵۴) میں فرمایا گیا ہے، پس جب کسی مومن پر روحانی موت واقع ہو جاتی ہے، تو اُس حال میں عزرائیلؑ بائیں کان کے اندر رہ کر مذکورہ بزرگ اسم کا مسلسل ذکر کرتا رہتا ہے، اور اس کے لشکر جو ذراتِ روحانی ہیں، جسم کے بیشمار خلیات میں اُتر کر روح کو سر کی راہ سے نکال لیتے ہیں، مگر روح کا آخری سرِ دماغ سے وابستہ رہتا ہے، پھر آفاقی رُوح میں سے جسم کے سانچے میں



ڈالی جاتی ہے، اور یہی عمل (قبض روح کا تجدد امثال، تقریباً ۱۸۰ ایک سو اسی) گھنٹے تک دہرایا جاتا ہے، اور اس میں دوسرے فرشتوں کی بھی عملی شرکت ہو ا کرتی ہے، بالخصوص حضرت اسرافیلؑ کی۔

۱۰. عزرائیلؑ اور اسرافیلؑ نے جہاں بحکم خدا ایسی زبردست قوموں کو، جو مرے ہی سے نافرمان تھیں، صفحہ ہستی سے مٹا دیا ہو، وہاں کوئی دردِ مرض، جراثیم، بیکٹیریا (BACTERIA) وائرس (VIRUS) اور سرطان (CANCER) کس طرح ٹھہر سکتا ہے، مگر مجبوراً یہی کہنا پڑے گا کہ ہم میں علم یقین، اور روحانیت کی بڑی حد تک کمی ہے، درتہ ساری دنیا میں یہی طریقِ علاج سب سے زیادہ مفید و مقبول ہو جاتا، تاہم کوئی مایوسی نہیں، کیونکہ اب روحانی سائنس کی آمد آمد ہے۔

۱۱. جب آدمی کسی شدید بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے، تو وہ دن رات سخت درد محسوس کرتا ہے، مگر جب اُس پر نیند طاری ہو جاتی ہے، تو اس وقت اس کو کافی آرام مل جاتا ہے جس کی وجہ بس یہی ہے کہ حضرت عزرائیلؑ نیند کے عنوان سے کچھ دیر کے لئے اس کی روح کو قبض کر لیتا ہے (۳۹)، اور اسی کے ساتھ اوپر اوپر سے بیماری یا جراثیم کی روح بھی وقتی طور پر نکالی جاتی ہے، اس سے یہ حقیقت روشن ہوتی کہ ہر مرض کی روح ہے، اور اس پر صرف عزرائیلؑ ہی کا کنٹرول ہے۔

۱۲. آپ لفظ نَعَّاس کی قرآنی حکمت (۳، ۱۵۳، ۸، ۱۱) میں ٹھیک ٹھیک غور و فکر کر لیں، نَعَّاس لغوی طور پر نیند کی جھپکی اور غنودگی تو ہے ہی،

لیکن پروردگارِ عالم نے اسے جنگِ بدر اور جنگِ اُحد میں مومنین کے لئے ایک پُر سکون معجزہ بنا رکھا ہے، پس جو نیک بخت شخص راہِ خدا میں اپنے نفسِ امارہ کے خلاف جہاد کرے، وہ نہ صرف نفاَس اور عزرائیلؑ ہی کے معجزوں کو دیکھے گا، بلکہ ان سے بڑھ کر روحانیت کی شخصی اور ذاتی کائنات اُس پر منکشف ہو جائے گی، جس میں وہ تمام روحانی اور عقلی نعمتیں موجود وہیں ہیں، جن کا تذکرہ اور وعدہ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔

نصیر الدین نصیر (حُبِّ علی، ہونزائی)

منگل ۱۶ جمادی الاول ۱۴۰۹ھ ۲۷ دسمبر ۱۹۸۸ء



# عین الیقین اور معرفت

۱۔ توحید اور خدا شناسی یعنی عملی معرفت عقل و جان کی سب سے مؤثر دوا بھی ہے اور سب سے اعلیٰ صحت بھی، کیونکہ خالق اکبر نے انسان کو دین و دنیا کے تمام وسائل و ذرائع کے ساتھ اسی مقصد کے لئے پیدا کیا ہے کہ وہ ان سے کام لے کر رب العزت کے عسrfان کی لازوال دولت سے ہمیشہ کے لئے مالا مال ہو جائے تاکہ اس کو پروردگار عالم کی وہ جملہ نعمتیں حاصل ہوں، جو لامحدود، غیر فانی، اور بے پایاں ہیں، جن کا تذکرہ جمیل قرآن حکیم میں بکثرت موجود ہے۔

۲۔ معرفت کا دلنشین و روح پرور موضوع انسان اول، البوالہ بشر حضرت آدم علیہ السلام ہی سے شروع ہوتا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ..... (۲۱/۲۱) اور اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو سارے ناموں کی تعلیم دی پھر اُن موصومات کو فرشتوں کے سامنے کر دیا۔ دیدہ بینا کے سامنے یہ حقیقت روشن ہے کہ آدم صقی اللہ کی یہ ربانی تعلیم جو حقائق و معارف سے متعلق

تھی بطریق روحانیت دی گئی تھی، اسی وجہ سے یہ علم فرشتوں کے حق میں  
مخزنِ سماوی ثابت ہوا، اور اس میں کسی کو شک نہ ہو کہ اللہ تبارک و تعالیٰ  
نے اپنے خلیفے کو خصوصاً اسماء الحسنیٰ کا علم عطا فرمایا تھا (۱/۱۸۰) جن کی نورانیت  
میں خلیفہ خدا نے بمشاہدہ عین الیقین معرفت ہی کے تمام اسرار دیکھ  
لئے تھے۔

۳، کتاب ”علمی علاج“ میں ”بہشت کے دو دومیوئے“ کے مضمون  
کو غور سے دیکھ لیں، یقیناً کوئی چیز جنت کے بغیر نہیں، کیونکہ یکتا صرف  
خدا ہی کی ذات ہے، چنانچہ قرآن حکیم کا کوئی علمی میوہ اکیلا نہیں، بلکہ  
ہر پھل دراصل دو کا مجموعہ ہے، مثال کے طور پر لفظ ”بنی آدم“ کو سمجھئے کہ  
اس کے عام و خاص دو معنی ہیں، ”بنی آدم“ کے عام معنی سب کو معلوم  
ہیں، اس لئے یہاں خصوصی معنی کا بیان ضروری ہے، اور وہ یہ کہ بنی آدم  
درحقیقت انبیاء اولیاء ہی ہیں، کیونکہ صرف انہی پاک و پاکیزہ اور مبارک  
ہستیوں کے سلسلے میں حضرت آدم علیہ السلام کی برگزیدگی، خلافت،  
اور روحانیت وراثتہ چلی آئی ہے، اور انہی حضرات کے پاس آدم صلی اللہ  
کا خزانہ علم الاسماء مخفی رہا ہے۔

۴، سورہ اعراف (۷/۱۶۱) میں ارشاد ہوا ہے (ترجمہ)؛ اور جب تمہارے  
پروردگار نے بنی آدم (انبیاء اولیاء) سے یعنی اُن کی پیٹھوں سے ان کی  
اولاد (ذراتِ روح) نکالی اور ان کو اپنی روح کا مشاہدہ (اور تعارف)  
کرایا (اور اُن سے پوچھا کہ) آیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ وہ کہنے



لگے کیوں نہیں، ہم گواہ ہیں (اس لئے کہ ہم نے دیکھا کہ تو ہمارے رب ہے، یہاں یہ جاننا از بس ضروری ہے کہ ہر پیغمبر اور ولی نے اپنے وقت میں جُدا گانہ طور پر یہ روحانی اور عرفانی معجزہ دیکھا، اور یہ بھی یاد رہے کہ المشہود والشہادۃ کے معنی کسی چیز کا مشاہدہ کرنے کے ہیں خواہ بصر سے ہو یا بصیرت سے، اور صرف حاضر ہونے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے (مفردات القرآن) اس کا مطلب یہ ہوا کہ انسانِ کامل عین الیقین سے روح کا مشاہدہ کر لیتے ہیں، اور ان حضرات میں سے ہر ایک کے عالمِ شخصی میں واقعۃً الست کا تجرّد امثال ہو جاتا ہے، تاکہ حصولِ معرفت کے ذرائع میں کوئی کمی نہ ہو۔

۵۔ معرفت کا ایک دوسرا ہم معنی لفظ "یقین" ہے، جیسا کہ سورۃ انفصا کے اس ارشاد سے ظاہر ہے: اور ہم نے ایسے ہی طور پر ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمین کی (روحانی) بادشاہی دکھلائی تاکہ وہ عارفوں (موقنین) میں سے ہو جائیں (۲۵/۶) نیز سورۃ زاریات (۵۱/۱۰) میں دیکھئے: اور یقین والوں (اہل معرفت) کے لئے زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں۔ پس عین الیقین کا مطلب چشمِ معرفت ہے، اور یہ مرتبہ علم الیقین کے بعد ہے (۲۵/۱۰)۔

۶۔ قرآن حکیم جو علم و معرفت اور حق بیانی کا سرچشمہ ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس کلمے کو کیا خوب یاد دلاتا ہے، ارشاد ہے: فمن تبعني فإِنَّهُ مِنِّي۔ پس جو شخص میرے پیچھے چلے تو وہ مجھ

سے ہے (۱۳۶) یعنی جو آدمی حقیقی معنوں میں میرے دین پر عمل کرے، وہ مجھ (یعنی رسول) میں فنا ہو کر میرے وجودِ روحانی و عقلی سے واصل ہو جائے گا، اور سوائے ظاہری نبوت و رسالت کے اسے معرفت کے تمام مراتب حاصل ہوں گے، یہی مفہوم اُس آیہ کریمہ میں بھی ہے، جو خدائی انعام یافتگان کے بارے میں وارد ہوئی ہے (۱۳۷) یعنی انبیاء، اولیاء، شہداء، اور صالحین، جن کی روحانی اور عرفانی رفاقت ہر اُس شخص کو نصیب ہو سکتی ہے، جو خدا و رسول کی حقیقی فرمانبرداری کرے۔

۷۔ سورہ مائدہ کے ایک حکمت آگین ارشاد (۱۳۸) کا مفہوم ہے: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر توریت نازل فرمائی، جس کا صرف روحانی پہلو ہی ہر قسم کی تحریف سے محفوظ دیا گیا تھا، پس تابندہ ہدایت، بولتا نور، اور معرفت کا خزانہ اُس کتاب کی روحانیت میں تھا، لہذا حضرت موسیٰ اور آپ کے پورے دور کے انبیاء سب، جنہوں نے بمقام معرفت اپنی ذات و انا خدا کے حوالے کر دی تھی، اسی روحانی توراۃ سے یہود کو حکم دیا کرتے تھے، اور اہل اللہ و علماء بھی ایسا کرتے تھے، کیونکہ انہوں نے کتاب میں سے علم و حکمت کو یاد کیا تھا، جبکہ وہ عین الیقین سے نزولِ توراۃ کے تجددِ امثال کو دیکھ چکے تھے، اور وہ اسی معنی میں جائے نزول پر حاضر بھی تھے اور گواہ بھی (شہداء ۱۳۹) اور یہ مثال ایک بہت بڑے خزانے کی کلید کی طرح زبردست اہمیت رکھتی ہے۔

۸۔ لفظ شہید اگر اشرکے باطنی پہلو سے متعلق ہے، تو اس میں ایک



ساتھ چار معانی مُستعمل ہو سکتے ہیں: راہِ خدا میں قتل کیا گیا، وہ شخص جو روحانیت و عقلانیت کے مقامات پر حاضر رہا ہو، وہ جس نے روحانی اور عقلی معجزات کے تجرُّدِ امثال کا مشاہدہ کر لیا ہو، اور وہ مومن جو ان واقعات کا عینی شاہد (گواہ) ہو، دراصل یہ مومن سالک کے چار فضائل ہیں، اس حقیقت کی ایک روشن مثال سورۃ حدید (۵۶) میں دیکھئے: اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر (کما کان حقاً) ایمان رکھتے ہیں ایسے ہی لوگ اپنے رب کے نزدیک صدِّیق اور (زندہ) شہید ہیں، ان کے لئے نہ صرف آخرت، ہی میں، بلکہ دُنیا میں بھی، اُن کا اجر اور اُن کا نور ہے (۵۶)، ظاہر ہے کہ یہاں شہید کے چاروں معنوں کا اطلاق ہو سکتا ہے، جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔

۹. سورۃ محمدؐ میں مشاہدہ عین الیقین اور معرفت سے متعلق ایک انتہائی اہم اور فیصلہ کن آیتِ مبارکہ ہے، جس کا متعلقہ لفظ ”عَرَفَ“ ہے (۲۶)، اور اس کے معنی ہیں: اس نے پہچنوا دیا، شناخت کرایا، شناسا کر دیا، جو صیغہ ماضی ہے، اور آیتِ مقدسہ یہ ہے: وَیُدْخِلُهُ الْجَنَّةَ عَرَفَهَا کُمُ (۲۶)، اور ان کو بہشت میں داخل کرے گا جس کی پہچان کرا دی ہے۔ اس سے یہ امر بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ معرفت نہ صرف ممکن الحصول ہی ہے، بلکہ وہ بیحد ضروری بھی ہے۔

۱۰. جس طرح عالمِ مادیّت میں چیزوں کو دیکھنے کے لئے سورج اور آنکھ دو وسیلے ہیں، اسی طرح عالمِ روحانیت یا عالمِ شخصی کی آیات

(معجزات ۱۱) کا مشاہدہ کرنے کی غرض سے نورِ معرفت کے ساتھ ساتھ عین الیقین کا بھی ہونا بیکر ضرور کی ہے، کیونکہ نور کے جتنے عظیم مقاصد ہیں، وہ چشم یقین کے بغیر پورے نہیں ہو سکتے، چنانچہ قرآن حکیم میں جہاں جہاں نور کا ذکر فرمایا گیا ہے، وہاں لازماً عین الیقین کی بہت بڑی اہمیت کا اشارہ بھی موجود ہے، قرآن عظیم نے اس امر ضروری کے باب میں صرف اشارات ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ بے بصیرتی اور کور باطنی کی بڑی سختی سے مذمت بھی کی گئی ہے۔

۱۱ سرورِ انبیاء و رسل حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا کے حکم سے دعوتِ اسلام کا آغاز ہی اس طرح فرمایا، جیسا کہ آنحضرتؐ نے نورِ معرفت کی روشنی میں چشم بصیرت سے دیکھا تھا، اس حقیقت کو خوب دانشین کمر لینے کے لئے سورۃ نساء (۲۵) اور سورۃ یوسف (۱۲) میں غور کیا جائے، اس امر واقعی میں نہ تو کوئی شک و شبہ ہو سکتا ہے اور نہ ہی کوئی تعجب، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب رسولؐ کو زندہ نور (۱۵) اور روشن چراغ (۳۳) بنا کر بھیجا تھا، اور تعجب اس حقیقت میں بھی نہیں ہونا چاہئے کہ کس طرح کوئی شخص نور (یعنی رسولؐ) میں فنا ہو کر نور ہو سکتا ہے، کیونکہ یہ حیرت ایک ایسے سوال کی طرح ہے، جس میں کوئی پوچھتا ہو کہ بکڑی کیوں آگ ہو جاتی ہے، جبکہ وہ جلتی ہوئی آگ میں ڈالی جاتی ہے؟

۱۲ یہ بات سب ہی جانتے ہیں کہ انسان دراصل اشرق مخلوقات



ہے، پھر کوئی دانشمند یہ کیسے باور کرے کہ آدمی اس زندگی میں نور اور بصیرت (چشم دل) کو حاصل نہیں کر سکتا، حالانکہ قرآن مجید نے انسانیت کی امکانی ترقی اور اگلی صفوں کی کمالیّت کے پیش نظر ارشاد فرمایا کہ وہ اپنی روح کو دیکھ سکتا ہے (۴۵)، اور پہچان سکتا ہے، کیونکہ وہ اپنے وجود کے سلسلے میں نہ صرف گوشت پوست اور جسم ہی ہے، بلکہ وہ روح، عقل، اور بصیرت (دل کی بینائی) بھی ہے (۴۵)، اور اس آیتِ کریمہ میں بہت بڑی حکمت ہے۔

نصیر الدین نصیر (محب علی، ہونزائی)

پیر ۲۲ جمادی الاول ۱۴۰۹ھ ۲ جنوری ۱۹۸۹ء

# تجددِ امثال کے اشارات

۱۔ قرآن حکیم اور دینِ فطرت (اسلام) میں لفظ ”سُنّت“ کی بہت بڑی اہمیت اس لئے ہے کہ یہ قانونِ دین کے معنی میں استعمال ہوا ہے پس ہر عاقل مومن پر واجب ہے کہ وہ اُن جملہ پُر حکمت آیات میں خوب تفکر و تدبّر کرے، جو سُنّتِ الہی سے متعلق ہیں، تاکہ اس اصولی غور و فکر کے نتیجے میں ایسے سخت عقائدے حل ہو جائیں، جن کے کھل جانے کے بارے میں سوچا بھی نہیں جاسکتا تھا، بالآخر اس سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آئے گی کہ اللہ تعالیٰ کی پاک عادت و سُنّت جو کسی تبدل و تحول کے بغیر ہمیشہ جاری و ساری ہے، وہ دراصل تجدّدِ امثال کی صورت میں ہے، جس کی ظہور گاہ عالمِ شخصی یعنی انسانِ کامل ہی ہے (۳۵)۔

۲۔ سورۃ انبیا (۲۱)، اور سورۃ یاسین (۳۶) میں یہ حکمت آگینِ کلید مذکور و موجود ہے کہ تمام چیزیں یعنی موجودات ہمیشہ دائرۃ امکانِ بدر گردش کر رہی ہیں، ان میں مثال کے طور پر نہ تو دن آگے ہے، اور



نہ ہی رات، یعنی عالم خلق اور عالم امر کے درمیان کوئی زمانی تقدیم و تاخیر نہیں، کیونکہ دائرۂ آفرینش کا کوئی سرا اور کوئی ابتدا و انتہا نہیں، بلکہ یہ فعلِ قدرت کے زیر اثر ازلی اور ابدی حقائق و معارف کا عکس یا سایہ ہے، اور اسی طرح ساری کائنات کی ہر چیز میں تجدد و امثال کا عمل جاری ہے۔

۳ آیاتِ کائنات کیونکہ آیاتِ قرآن کے قوانین سے مختلف ہو سکتی ہیں، غور سے دیکھ لیجئے کہ ہر شئی زبانِ حال سے تجدد و امثال کی حقیقت بیان کر رہی ہے، جبکہ تمام اشیاء کے فعلِ مسلسل میں تجدد پایا جاتا ہے، جیسے آسمان کی دائمی حرکتِ مستدیر، سورج، چاند، اور ستاروں کی نگاتا روضہ نشانی، امواجِ ہوا کی متواتر روانی، پانی کا اپنے دائرۂ زیر و بالا پر کبھی ختم نہ ہونے والا سفر، اور وہی دن رات اور موسموں کا بار بار آتے جاتے رہنا، وغیرہ، غرض عالم ظاہر میں جتنی قدرت کی نشانیاں ہیں، اُن سب میں تجدد و امثال کا عمل نمایاں ہے جو سنتِ الہی کی ایک روشن دلیل ہے۔

۴ عالمِ شخصی کی آیاتِ قدرت بھی ربّانی حکمتوں سے ملبو ہیں، ان زندہ معجزات میں انتہائی قریب ہی سے دیکھا جاسکتا ہے کہ تجدد و امثال کا مظاہرہ کس طرح دائماً جاری ہے، مثال کے طور پر دل کی دھڑکن کے معجزے کو دیکھ لیں، یہ ازلی تجدد کا ایک بہترین نمونہ ہے، کہ اس سے جسمِ انسانی میں ہر آن حیات و بقا کی ایک نئی لہر دوڑتی ہے،

جیسے مقام ازل پر کلمہ کُن کے سلسلے سے لاتعداد کائناتیں وجود میں آتی ہیں، یہی اشارہ نبض، تنفس، دوران خون، وغیرہ کا بھی ہے۔

۵۔ آیہ مصباح (۲۴) اور آیہ ہراج (۳۳) میں جس نشان تقدس سے شعلہ پراغ کا تصور دیا گیا ہے، اس میں تجدّد امثال ہی کی حقیقت جھلک رہی ہے، اور یہی حکمت نور علی نور میں بھی ہے، کاش قرآنی اسرار کی عظمت و بزرگی کے زیر اثر یہ ہاتھ اور قلم کانپ اٹھتا اور اس فرسودہ جسم پر کپکپی طاری ہو جاتی! کیونکہ روحانی علاج کا سب سے بڑا راز ایسے ہی انقلابی بھید و دل میں پوشیدہ ہے۔

۶۔ س: بہشت کی عمر کب تک ہے؟ ج: ہمیش ہمیش جب تک آسمان و زمین قائم ہیں (۱۱) س: اگر بہشت کی مدت عمر کائنات کے ساتھ وابستہ ہے، تو پھر اُس وقت کیا ہوگا، جب کائنات لپیٹ لی جائے گی (۲۱)؟ ج: اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے ہر وقت آسمانوں کو لپیٹتا اور پھیلاتا رہتا ہے (واللہ یقبض ویبسطہ)۔

۷۔ س: اگر بہشتیں درجات پر ہیں، تو سب سے بلند ترین بہشت کونسی ہے؟ ج: فردوس، س: آیا بندہ عاشق کے لئے فردوس سے اوپر بھی کوئی درجہ ہے؟ ج: جی ہاں، اس سے بہت بڑا درجہ رضوان کا ہے (۹) س: وہ آیہ مبارکہ کونسی ہے، جس میں یہ اشارہ ہے کہ کچھ لوگ فردوس برین سے مرتبہ رضوان پر فائز ہو جاتے ہیں، اور کچھ لوگ فردوس میں ان کے وارث و جانشین ہوتے ہیں؟ ج: یہ اشارہ سورہ مومنون



کی دو پُر حکمت آیتوں میں ہے (۲۳۰)۔

۸۔ س: بعض علما کا کہنا ہے کہ قرآن پاک میں صرف ایک ہی آدم کا قصہ آیا ہے، کیونکہ انسانِ اول ایک ہی تھا، مگر بعض کہتے ہیں کہ قرآن حکیم میں بطریقِ حکمت بہت سے آدموں کا تذکرہ فرمایا گیا ہے، اس باب میں آپ کا کیا نظریہ ہے؟ ج: اس بارے میں ذاتی طور پر میں مانتا ہوں کہ خالقِ اکبر نے لاتعداد عظیم ادوار میں بے شمار آدموں کو پیدا کیا ہے، اور اس کا ذکر قرآن کریم کے حکیمانہ اشارات میں موجود ہے، مثال کے طور پر قرآنی مہنوم ہے کہ اس دور کے آدم سے لے کر آج تک جو لوگ پیدا کئے گئے ہیں، جو تاریخی اعتبار سے ہمارے سامنے ہیں، ان کو خدا نے اپنی سنتِ آفرینش (فطرت) پر پیدا کیا، جو پہلے ہی سے چلی آرہی تھی (۲۳۱)۔

۹۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معراجِ مقدس کا مقصدِ عالی یہ تھا کہ آپ کی ذاتِ گرامی پر اسرارِ عظیم منکشف کئے جائیں، ان بے حساب بھیدوں میں ایک بہت بڑا رازِ سرِ دائرہ لا ابتداء ولا انتہا بھی تھا، جس کا اشارہ قابِ قوسینِ اودنیٰ میں ہے (۵۳)، یعنی دو کمان: ( ) پھر دائرہ: ○، اہلِ بہشت کے زیورات سونے کے کنگن اور موتی ہیں، اور لباسِ ریشمی (۲۲۲)، پس کنگن سے حکمتِ مستدیر یعنی اسرارِ دائرہ مراد ہیں موتیوں کا اشارہ گوہرِ عقل کی طرف ہے اور ریشمی لباس ہے جسمِ لطیف۔

۱۰۔ اللہ تعالیٰ کی صفتِ خالقیت، رازِ قیت، اور دوسری تمام صفات

جن کا تعلق انسان سے ہے، قدیم ہیں، حادث نہیں، یعنی ہمیشہ ہیں پس کوئی ایسا وقت ممکن ہی نہیں، جس میں خالق کی خالقیت کا ثبوت ملے، مگر مخلوق کا کوئی وجود ہی نہ ہو، اور کسی بادشاہی کے بغیر وہ بادشاہ کہلائے۔

۱۱۔ یہ درست ہے کہ انسان بارہا فنا فی اللہ ہو کر عالم امر میں گویا مست و مدہوش رہ چکا ہے، مگر آدمی کی یہ فنا ذات سبحان میں ممکن نہیں اس کی صفات میں ممکن ہے پس انائے علوی خود نہیں آتی، بلکہ اس کا ایک جیتا جاگتا سایہ یہاں آیا، چنانچہ قرآن مجید نے اس سرعظیم کو حجاب میں رکھتے ہوئے فرمایا: اور تم مُردے تھے سو اُس نے تم کو جلایا (۲۸/۲۸) اگر لوگ اس سے پہلے عدم محض سے زیادہ کچھ نہ ہوتے، تو نہ فرمایا جاتا کہ تم مردے تھے، حالانکہ دنیا کا مردہ کم از کم ایک قبض عنصری تو ہوتا ہے، جس سے طائر روح پرواز کر گیا ہو، اسی طرح سورہ یونس (۱۰۱/۱۰۱) کا ایک ارشاد ہے: اور وہ کون ہے جو زندے کو مُردے سے نکالتا ہے اور مُردے کو زندے سے نکالتا ہے (۱۰۱/۱۰۱)۔

۱۲۔ انسان دنیا میں کہاں سے آیا ہے؟ اور کس طرح؟ یہ سوال جتنا اہم ہے، اتنا مشکل بھی ہے، تاہم اگر قرآنی حکمت کی روشنی حاصل ہو، تو کوئی مشکل نہیں، پس جب ہم قرآن حکیم کو خود اس کے نورِ علم کی روشنی میں دیکھتے ہیں، تو یہ بنیادی قانون عقلانیت و روحانیت واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن کا نزول ایک بسیط روح کی طرح ہوا ہے، چنانچہ وہ نہ صرف





تحقیق سے کام لینے کی سخت ضرورت ہے، لیکن توفیق الہی کے بغیر کوئی نیک کام مکمل نہیں ہو سکتا، اس لئے ہم انتہائی عاجزی اور حاجتمندی کے ساتھ ربِّ عزّت کی بارگاہ اقدس سے رجوع کرتے ہیں۔

نصیر الدین نصیر (حُبِّ علیؑ ہونزائی)

منگل یکم جمادی الثانی ۱۴۰۹ھ ۱۰ جنوری ۱۹۸۹ء



# قیامتِ صُغریٰ

۱۔ ارشادِ نبوی ہے: مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهُ  
 (جو کوئی مرتا ہے اس کی قیامت برپا ہو جاتی ہے۔ احیاء العلوم، جلد چہارم،  
 فضیلتِ صبر) چونکہ موت نفسانی اور جسمانی دو قسم کی ہو ا کرتی ہے، لہذا  
 قیامتِ صغریٰ یا ذاتی قیامت اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں پر بدنی  
 موت سے پہلے ہی واقع ہوتی ہے، اور عوام پر موت کے بعد، کیونکہ  
 عین الیقین سے خزانِ اسرارِ معرفت کا مشاہدہ ممکن ہی نہیں، مگر جیتے  
 جی فنا ہو جانے سے، اور وہ یہی قیامتِ صغریٰ ہے، جس کا یہاں ذکر  
 ہو رہا ہے۔

۲۔ سورۃ بقرہ کی جن آیاتِ مقدسہ میں ذبحِ بقرہ کا ذکر فرمایا گیا ہے  
 ان میں ظاہری معجزے کے ساتھ ساتھ یہ پُر حکمت مثال بھی ہے کہ  
 نفسِ حیوانی، جو ایک بیل جیسا ہے، راہِ خدا میں بذریعہ علم و  
 عبادت اور ریاضت اس کی قربانی سے بندہ مومن کس طرح حیاتِ  
 طیبہ حاصل کر سکتا ہے، یعنی کیسے جیتے جی مرکزِ زندۂ جاوید ہو جاتا ہے،

پچنانچہ مولوی معنوی نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ثنوی، دفتر سوم میں اس حکمت کو ذیل کی طرح بیان کیا ہے:-

۳۔ مجھے حضرت موسیٰؑ کا ایک ایسا بیل سمجھ جس کو ایک خاص جان عطا ہوئی ہے، میرا جزو و جزو یعنی ذرہ ذرہ ہر ہر آزاد کا حشر (قیامت) ہے۔ حضرت موسیٰؑ کے بیل سے ایک قربان شدہ زندہ شہید مراد تھا، جس کا ایک چھوٹے سے چھوٹا جزو (ذرہ لطیف) کسی مقتول کے لئے باعثِ حیات تھا۔ اس کی چوٹ سے مُردہ جگہ سے اُٹھ گیا، اس کو اس کے بعض سے مارو کے حکم کے مطابق۔ اے میرے بزرگو! اس بیل کو ذبح کر دو، اگر تم بصیرتی روحوں کی قیامت چاہتے ہو۔ میں پہلے جمادیت سے مرا اور نباتی بن گیا، اور نباتیت سے مرکب حیوان بن گیا میں حیوانیت سے بھی مرا اور آدمی بن گیا، پھر میں کیوں ڈروں، میں مرنے سے کب گھٹا؟ دوسری مرتبہ میں بشریت سے بھی فنا ہو جاؤں گا، تاکہ فرشتوں میں ہو کر بال و پر حاصل کروں۔ فرشتے سے بھی مجھے آگے جانا چاہئے، کیونکہ بجز اُس کی ذات کے ہر چیز فنا ہونیوالی ہے۔ پس میں ملکیت سے بھی قربان ہو جاؤں گا، وہ جو عقل میں نہیں آسکتا وہ ہو جاؤں گا۔ پھر میں عدم (نیتنی) بن جاؤں گا، اور عدم ارغنون یعنی باجے کی طرح مجھ سے کہے گا کہ ہم سب اس کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

۴۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی عارفانہ موت قبل از جسمانی موت کے بارے میں قرآن حکیم فرماتا ہے: اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ اِذْ حَضَرَ



يعقوب الموت (۳۱) کیا تم (اس وقت) موجود تھے جس وقت یعقوب کے پاس (عارفانہ) موت حاضر ہوئی؟ یعنی کیا تم نے عالم شخصی کے تجدد و امثال میں انبیاء و اولیاء کی عارفانہ موت دیکھی ہے؟ سوال اس لئے فرمایا گیا ہے کہ یہ امر ممکن ہے، اور اس کا مقصد ہے مذکورہ حقیقت کی طرف توجہ دلانا، پس ایسی موت کے حاضر ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اس کے ساتھ علم و معرفت کی ایک ذاتی قیامت (قیامت صغریٰ)، برپا ہو جاتی ہے۔

۵۔ اللہ جل جلالہ کا حکمتوں سے مملو ارشاد ہے (ترجمہ): جن لوگوں نے (سچے دل سے) کہا کہ ہمارا پروردگار تو (بس) خدا ہے پھر وہ اسی پر (جیسا کہ حق ہے) قائم بھی ہو گئے تو ان پر (نشبِ قدر کے تمام) فرشتے نازل ہوتے ہیں (اور عملِ نیک کہتے ہیں کہ) کچھ خوف نہ کرو اور نہ غم کھاؤ اور جس بہشت کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا، اس کی خوشیاں مناؤ، ہم دُنیا کی زندگی میں بھی تمہارے دوست ہیں اور آخرت میں بھی دوست ہوں گے (۳۱-۳۲) یہ خدا کے دوستوں کی نفسانی موت قبل از جسمانی موت اور ذاتی قیامت ہے، کیونکہ ان فرشتوں میں حضرت اسرافیلؑ اور حضرت عزرائیلؑ پیش پیش ہوتے ہیں، اور اللہ کے حکم سے وہ جو کچھ کرتے ہیں، اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ بطریق دوستی مومنین کے خوف و غم کا ازالہ کرتے ہوئے اسرارِ معرفت کا دروازہ کھول دیا جائے۔ ۶۔ ہر حقیقت ایک ایسے ہمیرے (الاس) کی طرح ہے، جس کے بہت

سے پہلو ہوں، چنانچہ یہاں حقیقتِ قیامت کے جس پہلو سے متعلق بات ہو رہی ہے، اس پر کسی عزیز کو تعجب بھی ہو سکتا ہے، کیونکہ شروع شروع میں بمقتضائے حکمت نہ صرف اسرارِ قیامت ہی پردہ اخفا میں رہے ہیں، بلکہ اور بھی بہت سے علوم مخفی تھے، جو بعد میں رفتہ رفتہ ظاہر ہوئے، اور کچھ کا ظہور جاری ہے، پس قرآن حکیم جو خزانہ خداوندی میں سے ہے (۱۵۱)، اس کے بھیدوں کی برکتیں کیونکہ محدود ہو سکتی ہیں، حالانکہ قرآن کریم کا مجموعی اشارہ بہت سے علمی و عرفانی اکتشافاتِ جدیدہ کی طرف ہے۔

، حقیقت بات تو یہ ہے کہ قیامت کا ایک مقرر وقت بھی ہے، اور یہ وقت سے بالاتر بھی ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ قیامت کبریٰ اپنے وقت سے پہلے نہیں آئے گی، جبکہ قیامتِ صغریٰ، جو حصولِ معرفت کے واسطے مقرر ہے، وہ خدا کے خاص دوستوں میں ہمیشہ سے قائم ہوتی چلی آئی ہے، تاکہ اہل معرفت پر حقائق و معارف کا دروازہ ہر وقت کھلا رہے، اور کبھی بند نہ ہو، پس خوب یاد رہے کہ سب سے اعلیٰ روحانی ترقی یعنی فنا فی المرشد، فنا فی الرسول، اور فنا فی اللہ کی انتہائی عظیم سعادت ہر زمانے میں حاصل ہو سکتی ہے، اور یہی بڑا عالیشان اور بیشال واقعہ قیامتِ صغریٰ ہے۔

۸ سوال: اگر یہ مانا جائے کہ ایک تو انفرادی قیامت ہے، اور دوسری اجتماعی قیامت، اس صورت میں کوئی عارف کس طرح ہمہ گیر



قیامت کے بغیر گنج معرفت کو حاصل کر سکتا ہے، جبکہ وہ صرف قیامت صغریٰ ہی کا محدود مشاہدہ کرتا ہو؟ جواب: اللہ تعالیٰ جو قادرِ مطلق ہے اُس نے اپنی قدرتِ کاملہ سے جس طرح عالمِ صغیر میں عالمِ کبیر کو لپیٹ لیا ہے، اسی طرح قیامت صغریٰ میں قیامت کبریٰ کو محدود کر رکھا ہے وہ یوں کہ عالمِ شخصی کا دوسرا نام عالمِ ذر ہے، جس کے لا تعداد ذرات کائنات و موجودات اور تمام انسانوں کی نمائندگی کر رہے ہیں یہ ذرات دراصل زندہ ارواح ہیں، پس عارف میں گویا سب لوگ جمع ہو جاتے ہیں، لہذا اس کے نزدیک انفرادی قیامت شکلِ اجتماعی قیامت وقوع پذیر ہو جاتی ہے۔

۹. ایک ہوتی ہے اختیار کی موت، جو ”مُوتُوا قَبْلَ أَنْ تَمُوتُوا“ کے حکم کے مطابق ہے، جو دراصل فنا فی اللہ کہلاتی ہے، اور دوسری ہے اضطرابی (یعنی بے اختیاری) موت، اگرچہ دونوں صورتوں میں قیامت واقع ہو جاتی ہے، لیکن ان میں آسمان زمین کا فرق پایا جاتا ہے، پس فنا فی اللہ روحانیت کا وہ بلند ترین درجہ ہے، جس میں انسانِ کامل کی انفرادی اور مجموعی قیامت کا تجددِ امثال ہو جاتا ہے، جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشادِ مبارک ہے: فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ یَبْدِیْہِ مَلٰئِکَۃً کُلَّ شَیْءٍ وَّ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ (۳۶) پس وہ ذاتِ پاک ہے جس کے ہاتھ میں تمام چیزوں کا ملکوت (یعنی مجموعہ ارواح و ملائکہ) ہے اور تم کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے (۳۶) یعنی پروردگارِ عالم نے اپنی

قدرت کی مُٹھی میں جملہ تحقیقتوں اور معرفتوں کو یکجا اور ایک کر لیا ہے  
سو اسی میں چھوٹی اور بڑی قیامت بھی ایک ہو گئی ہیں، درحالیکہ چیزیں  
اپنی اپنی جگہ الگ الگ بھی ہیں۔

۱۰۔ عنقریب وعدہ الہی کے مطابق اجتماعی قیامت قائم ہونے  
والی ہے، اس کے احوال بڑے عجیب و غریب ہوں گے، وہ اسرائیل،  
عزرائیل، اور دیگر فرشتوں کے ذریعہ لوگوں پر زبردستی سے مسلط کر دی  
جائے گی، اس میں یا جوج ماجوج کا کام بھی نمایاں ہے یہ ذراتِ روحانی  
ہیں، جو روح حیوانی کی مضبوط دیوار کو چاٹ چاٹ کر ایک بار ختم کر  
ڈالیں گے، جس کی وجہ سے حواسِ باطن بیدار ہو کر نہ صرف اپنا کام  
کریں گے، بلکہ حواسِ ظاہر کے ساتھ مل کر ایک بھی ہو جائیں گے،  
مثال کے طور پر چشمِ ہر چشم سر سے روحانی عجائب و غرائب کو ظاہر میں  
بھی دیکھ سکے گی، اور سراسر دُنیا میں روحانی انقلاب برپا ہو جائے گا۔

۱۱۔ اجتماعی قیامت کا حال ایسا ہے، جیسے آسمانی طبیب کے حکم  
سے فرشتے بیمار انسانیت کا آپریشن (OPERATION) کرتے ہوں،  
جس میں بے ہوشی، جراحت، شدید درد، سخت مشقت، اور خوف کے  
ساتھ ساتھ مرہم پٹی، دوا، اور تیمارداری بھی لازمی ہے، پس ہوشمند  
مومن پر واجب ہے کہ وہ ہر وقت اپنی روحانی صحت کا خیال رکھے،  
تاکہ اُس انتہائی نازک اور مشکل ترین ڈاکٹری معائنے میں آسانی ہو جس  
میں جان نکال نکال کر ذرہ ذرہ کی روحانی بیوند کاری (GRAFTING)



کی جاتی ہے۔

۱۲۔ قرآن حکیم سر تا سر اسرارِ قیامت سے مملو اور لبالب ہے، اور اس کی کوئی آیہ کرمیہ مقصدِ آخرت کی حکمت سے خالی نہیں، کیونکہ دین کا سارا نظام اس لئے بنایا گیا ہے کہ روزِ قیامت بندہ اپنے معبود کے پاس ایک ایسا دل لے کر آئے، جو تمام باطنی بیماریوں سے پاک اور ہر طرح سے صحت مند ہو (بِقَلْبِ سَلِیْمٍ ۲۶)، تاکہ وہ خزانہ معرفت کی لازوال اور بے پایان دولت سے ہمیشہ ہمیشہ مالا مال اور شادمان رہے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

نصیر الدین نصیر (حُبِّ عَلِی) صوفزائی

منگل ۸ جمادی الثانی ۱۴۰۹ھ ۱۴ جنوری ۱۹۸۹ء

# انسانِ کامل

۱۔ نَسَفی نے جس طرح انسانِ کامل کی تعریف کی ہے، اس کا ایک نمونہ یہ ہے (ترجمہ از فارسی): جب تُو نے انسانِ کامل کے بارے میں سُن لیا، تو اب جان لے کہ انسانِ کامل کے بہت سے اسماء مقرر ہیں کیونکہ مختلف اضافات و اعتبارات کی بنا پر اسے مختلف ناموں سے یاد کیا گیا ہے، اور یہ سارے نام درست ہیں، اسے درویش، انسانِ کامل کو شیخ، پیشوا، ہادی، مہدی، دانا، بالغ، کامل، مکمل، امام، خلیفہ، قُطْب، اور صاحبِ زمان کہتے ہیں، نیز جامِ جہان نُما، آئینہ گیتی نُما، تریاقِ بزرگ، اور اکسیرِ اعظم کہلاتا ہے، اور عیسیٰ کہا جاتا ہے، کیونکہ مُردہ جہالت کو زندہ کرتا ہے، اُس کو خضر کہتے ہیں، اس لئے کہ اُس نے آبِ حیات پی لیا ہے، اور سلیمان کہتے ہیں کہ پرندوں کی بولی جانتا ہے، اور یہ انسانِ کامل دنیا میں ہمیشہ موجود ہوتا ہے، وہ ایک سے زیادہ نہیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ تمام موجودات ایک ہی شخص کی طرح ہیں، اور انسانِ کامل ایسے شخص کا دل ہے، پس انسانِ کامل



اس عالم میں ہمیشہ کے لئے موجود ہے، اور دل ایک ہی ہوا کرتا ہے، لہذا انسانِ کامل دنیا میں صرف ایک ہی ہوتا ہے، اور جب وہ یگانہ عالم اس جہان سے گذر جاتا ہے، تو دوسرا ایک اس کے مرتبے پر فائز ہو جاتا ہے، اور اس کا جانشین ہو جاتا ہے، تاکہ عالمِ دل کے بغیر نہ رہے (مشریح اصطلاحاتِ تصوف، تالیف دکتہ سید صادق گوہرین، اُستادِ دانشگاہ)۔

۲۔ انسانِ کامل حضراتِ انبیاء و اولیاء ہیں، جو حسب اللہ تبارک و تعالیٰ کے برگزیدہ اور خاص دوست ہیں، جیسا کہ قرآنی ارشاد ہے: اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (۱۱۳) یاد رکھو کہ خدا کے دوستوں پر دراصل نہ تو ابد کا ڈر ہے اور نہ وہ ازل سے غمگین ہو جاتے ہیں، کیونکہ وہ اسرارِ گنجِ ازل و ابد سے واقف و آگاہ ہیں، اس لئے وہ کُلّی طور پر مطمئن اور خرسند ہیں، اور انہیں ایسا علمُ الاسرار عطا ہوا ہے کہ اس کے سامنے خوف و غم زیادہ دیر تک نہیں ٹھہر سکتا، اور علمِ لدنیٰ اُن کی ولایت کی ایک روشن دلیل ہے۔

۳۔ جیسا کہ اس مضمون کے شروع میں ذکر ہوا، انسانِ کامل کا ایک نام خلیفہ ہے، اور اگرچہ چشمِ حقیقت دیکھا جائے، تو معلوم ہو جائے گا کہ خلافتِ الہیہ دنیا میں ہمیشہ سے ہے، اور ہمیشہ کے لئے ہے، پس اسی قانونِ دین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے (ترجمہ): تم میں سے جو لوگ (حقیقی معنوں میں) ایمان لائیں اور نیک اعمال

مکرمی اُن سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ ان کو زمین کی خلافت عطا فرمائے گا، جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو خلافت دی تھی (۲۴)، حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ عالی صفات تک خلافت انبیاء کا دور چل رہا تھا، اور آپ کے بعد خلافت اولیا کا دور شروع ہوا، اب رہا سوال بہت سارے مومنین کی خلافت کا کہ اگر وہ اس شرط پر پورے اُتریں، تو کیا ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ سب کے سب انسانِ کامل میں فنا ہو کر رسول اور اللہ میں فنا ہو جائیں، تو ان میں سے ہر ایک کو عالمِ شخصی کی خلافت عطا ہوگی، اور یہی ارض اللہ (۲۹) ہے، جس کی وسعت بے پایاں ہے (۳۹)۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے انسانِ کبیر نہ صرف ذاتی طور پر خلیفہ ہے، بلکہ ہر انسانِ صغیر کی انائے علوی بھی ہے تاکہ جتنے مومنین اُس میں فنا ہو جائیں، وہ سب اپنے اپنے عالمِ شخصی میں خلیفہ ہو سکیں، یہ روحانیت اور آخرت کی بات ہے، جیسا کہ خداوندِ قدوس کا ارشاد ہے (ترجمہ): اور وہ ایسا ہے جس نے تم کو زمین میں خلفاء بنایا اور درجات میں بعض کو بعض پر فوقیت دی (۱۶۵)، آپ غور کر سکتے ہیں کہ اس حکیمانہ تعلیم میں درجات کی سیڑھی سے چڑھ کر خلافت کے مرتبہِ عظمیٰ سے مشرف ہو جانے کا اشارہ موجود ہے۔

۵۔ انسانِ مکمل کی روحانیت میں حضرت آدم علیہ السلام کے جملہ اسرارِ روحانی کا تجددِ امثال ہو جاتا ہے، اس لئے وہ مثلِ آدم اور



نفسِ واحدہ ہے، چنانچہ اہل زمانہ کی روحانی تخلیق اور قیامت (یعنی ابداع و انبعاث) انسانِ کامل میں پوشیدہ ہے (۳۱/۱) جس طرح قیامتِ صغریٰ کے مضمون میں کہا گیا کہ انفرادی قیامت بشکل اجتماعی قیامت وقوع پذیر ہو جاتی ہے، آپ اس عظیم راز کو سورہ لقمان (۳۱/۱) میں بغور دیکھ سکتے ہیں۔

۶ سوال: سورہ رحمان کی ابتدائی چار آیات مبارکہ کی ترتیب کی بنیاد پر یہ پوچھنا پڑتا ہے کہ حضرت رحمان نے قرآن کس کو سکھایا، جبکہ وہ قدرت والا خدا انسان کو بعد میں پیدا کر کے بولنا سکھاتا ہے؟ جیسا کہ اس ارشاد کا ترجمہ ہے: رحمان نے قرآن کی تعلیم دی، اس نے انسان کو پیدا کیا (پھر) اس کو گویائی سکھائی (۵۵/۱) جواب: اللہ تعالیٰ اپنے جس بندہ خاص کو قرآن کریم کی تعلیم دیتا ہے، وہ انسانِ کبیر ہی ہے جس کے عالمِ شخصی میں ظہورِ قیامت، اعلیٰ روحانیت، عالمِ امر، ازل اور ابد کے انتہائی عظیم اسرار و رموز منکشف ہوتے ہیں، پس قرآن حکیم کی خدائی اور کدائی تعلیم اسی طرح ہے، اب ان عناصرِ روحی و عقلی کی مرثیت سے خداوند تعالیٰ انسانِ کبیر کو بدرجہ کمال خلق کر کے روشن دلائل اور محکم براہین کے ساتھ حکیمانہ بیان سکھاتا ہے، تاکہ وہ لوگوں کے لئے مہرِ چشمہ علم و حکمت قرار پائے۔

۷ سوال: سورہ دھر کے شروع (۶۶/۱) میں جیسا ارشاد ہوا ہے، اس کی عارفانہ تفسیر اور حکمت کا کوئی نمونہ کس طرح پیش کیا جا

کتاب ہے؟ جواب: زیرِ بحث آیہ کریمہ کا ترجمہ یہ ہے: کیا انسان پر دہر (زمانِ ناگزرنده) سے وہ وقت آپچکا ہے جس میں کہ وہ کوئی قابلِ ذکر چیز نہ تھا۔ اس فرمانِ الہی میں انسانِ کامل کے احوالِ روحانی پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ اس پر عالمِ امر میں دہر (ازل/ٹھہرا ہوا زمان) سے ایک ایسا وقت گزرا ہے، جس میں وہ فنا فی اللہ ہو چکا تھا، اور اب بھی ایسا ہے، یا ایسا ہونے والا ہے، مگر یہ نکتہ ہمیشہ کے لئے یاد رہے کہ ایسی پُر حکمت فنا کا تعلق روح اور عقل سے ہے، کہ وہی رنگِ بشریت کو ختم کر کے رنگِ رحمانیت میں رنگین ہو جاتی ہے (۱/۲۳۰)۔

۸، حدیثِ شریف میں ہے: اتَّقُوا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ۔ مومن کی فراست (دانائی) سے ڈرتے رہو، کیونکہ وہ خدائے عزیز و جلیل کے نور سے دیکھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ خوف رکھنے کا حکم تمام اہل ایمان کے لئے ہے، اور جس مومن انحصار سے ڈرنا چاہئے، وہ ولی (انسانِ کبیر) ہے، اور یہاں ڈرنے کے اصل معنی یہ ہیں کہ عادی برحق کے علم و حکمت کو بہت بڑی اہمیت دیجائے، کیونکہ اسی میں نورِ خدا کی روشنی، تابندگی، اور حیاتِ جاودانی ہے۔

۹، بخاری، جلد سوم، کتاب الرِّقَاق، حدیث ۱۷۲۲ میں یہ حدیثِ قدسی ہے: إِنَّ اللَّهَ قَالَ مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ۔ اللہ فرماتا ہے جس نے میرے دوست سے دشمنی کی، میں اُس سے اعلانِ جنگ کرتا ہوں۔ اسی مقام پر حدیثِ تقریب بھی ہے، اور یہ



اپنے خزانِ حکمت کی وجہ سے ایسی اہم اور ضروری ہے کہ اگر ہزار مناسبتوں سے اس کی تعریف کی جائے، پھر بھی کم ہے، اس کا ترجمہ یہ ہے: میرا بندہ ہمیشہ نوافل کے ذریعہ مجھ سے قرب حاصل کرتا ہے یہاں تک کہ میں اُس سے محبت کرنے لگتا ہوں، جب میں اس سے محبت کرتا ہوں، تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں، جس سے وہ سنتا ہے، اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں، جس سے وہ دیکھتا ہے، اور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں، جس سے وہ پکڑتا ہے، اور اس کا پاؤں ہو جاتا ہوں، جس سے وہ چلتا ہے پس ظاہر ہے کہ یہ حدیثِ قدسی وئی کامل کی شان میں ہے، اور ایسے ہر مومن کے بارے میں بھی ہے، جو ولی میں فنا ہو جاتا ہے۔

۱۔ سورۃ توبہ (۹۹) میں اللہ تبارک و تعالیٰ تمام اہل ایمان کو حکم دیتا ہے کہ وہ خدا سے ڈریں اور صادقین کے ساتھ ہو جائیں، صادقین اور صدیقین (۳۹) کا ایک ہی مطلب ہے، یہ اولیاء اللہ ہیں، یعنی انسانِ کامل، پس ان کے ساتھ ہو جانا اس طرح ہے کہ ان کی ہدایات و تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے اُن میں فنا ہو جائیں تاکہ اس وسیلے سے فنا فی الرسول، اور فنا فی اللہ کا عظیم ترین مرتبہ حاصل ہو، اور یقیناً اسی میں صداقتوں اور حقیقتوں کے تمام خزانے مرکوز و مجموع ہو جاتے ہیں۔

۱۱۔ انسانِ کامل ہی خلیفہ رسول، اور طبیبِ روحانی ہے، اس لئے

لازمی ہے کہ روحانی علاج سے متعلق موضوعات میں اس کا تذکرہ ہو،  
 اگرچہ ہم اُس آئینہ جمال و جلال الہی کی تعریف و توصیف کرنے سے  
 عاجز و قاصر ہیں، تاہم ان شاء اللہ، ہم اپنی نیت میں مخلص ہیں، اور  
 اس کی وہی ہر طرح سے مکمل، حکمت سے لبریز، اور بیشمار تعریفات  
 کافی ہیں، جو خدا اور اُس کے برحق پیغمبر نے حکیمانہ انداز سے فرمائی ہیں،  
 الحمد للہ علی احسانہ۔

نصیر الدین نصیر (حُب علی) ہونزائی

پیر ۱۳ جمادی الثانی ۱۴۰۹ھ ۲۳ جنوری ۱۹۸۹ء



# جواہرِ طریقت

۱۔ سورۃ مائدہ (۵۸) میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا پُر حکمت ارشاد ہے:

لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا (۵۸) تم میں سے (اے اہلِ مِللِ مختلفہ) ہر ایک کے لئے ہم نے ایک شریعت اور ایک طریقت مقرر کر دی ہے۔ اس قرآنی تعلیم سے ظاہر ہے کہ تمام آسمانی مذاہب میں شریعت اور منہاج (طریقت/تصوف) کا دستور رہا ہے، چنانچہ زمانۂ نبوت میں درختِ شریعت کے ساتھ ساتھ نہالِ طریقت بھی پروان چڑھ رہا تھا، جس کی ایک روشن مثال اصحابِ صفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مل سکتی ہے، اور یہ واقعہ مشہور و معروف ہے کہ آیۂ کرمیہ دَلَا تَطْرُدُ الَّذِينَ..... (۶۶) (ان حضرات کے فضائل کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

۲۔ پچوٹھی صدی ہجری/دسویں صدی عیسوی میں صوفیاء نے تزکیۂ نفس کے مختلف طریقے وضع کئے، جو سلسلہ یا خانوادہ کہلاتے ہیں، ان سلسلوں کی تعداد بہت زیادہ ہے، جن کی آگے چل کر اور بہت سی شاخیں ہو جاتی ہیں، ان میں سے ہر شاخ کا ایک بانی ہے، ہر سلسلے

کا منبع حضرت علیؑ کی ذات ہے، صرف ایک سلسلہ نقشبندیہ ایسا ہے، جس کی ابتداء حضرت ابو بکر صدیقؓ سے ہوتی ہے (اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ص ۵۰۔ سید قاسم محمود)۔

۳۔ آپ تصوف کی کتابوں میں شریعت، طریقت، حقیقت، اور معرفت جیسی اصطلاحات دیکھ سکتے ہیں، یہ دینی، علمی، اور روحانی سفر کی منزلیں ہیں، جو راہ مستقیم پر واقع ہیں، جن پر چل کر مومن سالک خدا کے بزرگ و برتر کا انتہائی قرب حاصل کر سکتا ہے، جیسا کہ دائرہ معارف اسلامی جلد ۱۱، ص ۱۹۳ پر ہے: "سُلُوک: (عربی: سفر کرنا)، صوفیہ کے نزدیک اس اصطلاح کے معنی راہ طریقت پر وہ سفر ہے، جس کی ابتدا صوفی کسی طریقے میں داخل ہونے پر اپنے شیخ کے زیر ہدایت کرتا ہے، اور جس کی انتہا اس وقت ہوتی ہے، جب اپنی استعداد کے مطابق وہ بلند سے بلند روحانی درجہ حاصل کر لیتا ہے، سُلُوک سے مراد وہ تعلق باللہ کی جستجو ہے، جو غمداً اختیار کی جاتی ہے، اور جسے باقاعدہ جاری رکھا جاتا ہے، سالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ ذکر، توکل، فقر، عشق، معرفت، وغیرہ ہر مقام سے گزرے، اور اس میں کمال پیدا کرے، اس سے پہلے کہ وہ ذات الہی سے واصل ہو جاتے، لہذا سُلُوک کو جذب کی ضد خیال کیا جاتا ہے۔"

۴۔ تصوف کی ایک مشہور کتاب کشف المحجوب میں حضرت امام باقر علیہ السلام کے بارے میں یہ روایت درج ہے: "آپ نے حق تعالیٰ کے



ارشاد: فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ (پس جو شخص شیطان کا کفر کرے اور اللہ پر ایمان لائے ۲۶) کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: كُلُّ مَنْ شَغَلَكَ عَنْ مُطَالَعَةِ الْحَقِّ فَهُوَ طَاغُوتُكَ (جو چیز بھی تجھے مطالعہ حق [مشاہدہ تجلی] سے باز رکھے، وہی تیرا شیطان اور بُت ہے) اب تم غور کرو کہ تم اللہ تعالیٰ سے کس چیز کی وجہ سے لا تعلق اور حجاب میں ہو، کہ اگر اُس چیز اور حجاب کو ترک کر دو تو مکاشفہ الہی تک تمہیں رسائی ہو جائے، اور تم حق سے ممنوع اور محبوب نہ رہو، اور جو شخص مشاہدہ حق سے روک دیا گیا، اسے قرب حق کا دعویٰ نہیں کرنا چاہیئے۔

۵۔ مذکورہ کتاب کے بابِ توبہ میں ایک انتہائی دلنشین نکتہ یہ ہے: ”توبہ تین طریق پر ہوتی ہے، ایک خطا سے صواب (نیکی، نیک کام) کی طرف، ایک صواب سے صواب کی طرف، (یعنی کم نیکی سے زیادہ نیکی کی طرف) اور ایک اپنی ہستی سے حق تعالیٰ کی طرف۔“ میں تیسری قسم کی توبہ کی وضاحت کرتے ہوئے یہ عرض کروں گا کہ انبیاء و اولیاء کی توبہ بدرجہ انتہا رجوع الی اللہ ہی ہے، وہ اُن حضرات کے عالم شخصی میں کشفِ گنجِ ازل اور مشاہدہ حق ہے، اور یہ ایک یقینی حقیقت ہے کہ وہ کلماتِ تامات، جو برائے ذکر و مناجات اور بطورِ خزانہ علم و حکمت حضرت آدم علیہ السلام کو حاصل ہوئے تھے (۲۶) وہ اسی پیغمبرِ اہلِ اولیاء کی توبہ کی غرض سے تھے، یعنی مشاہدہ کنزِ مخفی اور فنائے حقیقی کے لئے۔

۸ سورہ عنکبوت کے آخر (۲۹) میں پروردگار عالم کا پاک  
 ارشاد ہے: وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (۲۹)  
 وہ لوگ جنہوں نے ہمارے معاملہ میں مجاہدہ کیا البتہ ہم انہیں اپنے  
 (اسرارِ معرفت کے) راستے دکھا دیں گے۔ اور اسی حکمِ خداوندی کے  
 مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نفس کے خلاف جنگ کو  
 جہادِ اکبر قرار دیا ہے، پس اگر نفس سب سے بڑا کافر اور امراضِ  
 باطن کی جڑ نہ ہوتا، تو ہرگز اس سے یہ شدید مخالفت اور ایسی بڑی  
 جنگ ضروری نہ ہوتی، لیکن ظاہر ہے کہ نفس اتارہ بڑا مکار کافر ہے  
 اور اس میں کوئی شک ہی نہیں کہ کافر جہالت و نادانی کے روگ کا  
 پیتلا ہوا کرتا ہے، لہذا اس کا مکمل علاج جہادِ اکبر کی صورت میں لازمی  
 ہوا، تاکہ وہ علمی و عرفانی طور پر صحیح و صحت مند مسلمان ہو جائے۔  
 ، مومن سالک حق تعالیٰ کی عنایت و توفیق سے عالمِ شخصی  
 (اپنی ذات)، ہی میں روحانی منازل میں پیش رفت کرتا رہتا ہے، تاکہ  
 اس سلوک (سفرِ روحانیت) کا سب سے عجیب واقعہ اور عظیم ترین معجزہ  
 رونما ہوتا ہے، وہ یہ کہ اگرچہ سفرِ ازل سے ابد کی جانب ہو رہا تھا،  
 لیکن بالآخر ابد و ازل دونوں کا ایک ساتھ کشف ہو جاتا ہے، جس کی  
 وجہ یہ ہے کہ دائرہٴ خلق و امر کی ہدایت و نہایت (ابتداء و انتہا) ایک  
 ہی مقام پر ہے، جیسے گھڑی کے ڈائل (DAIL) پر وقت کا نقطہ  
 آغاز (صفر) اور بارہ بجے کا نشان (12/0) ایک ہوا کرتا ہے، پس



گنج ازل آپ کی ذات میں موجود ہے، مگر ۳۶۰ حجابات کے پیچھے، جن میں سے ۱۸۰ ظلمانی (تاریک)، پردے ہیں، اور ۱۸۰ نورانی، اور ہر حجاب ایک منزل ہے، یاد رہے کہ تاریک منزلیں آہنی مشکل نہیں جتنے مشکل روشن مراحل ہوتے ہیں، کیونکہ روشنی کو دیکھتے ہی صوفی کو یہ گمان ہو جاتا ہے کہ بس یہی خدا کا نور ہے، حالانکہ پردہ ہائے نورانیت میں سے ابتدائی پردہ ہے، جس سے اس کو بہت آگے جانا ہے۔

۸ سالک کی منزل مقصود ازل و اسرار ازل کا کشف و مشاہدہ ہے جو تجددِ امثال کا سب سے اعلیٰ اور سب سے افضل مقام ہے، جہاں تمام حقیقتوں اور معرفتوں کے خزانے کے ابواب ہر وقت مفتوح رہتے ہیں، اسی منزلِ آخرین میں روحِ قرآن کے حسن و جمالِ معنویت کی ہر گونہ جلوہ نمائی ہوتی رہتی ہے، یہ وہ بلند ترین مقام ہے، جہاں خداوندِ عالم کے قدیم قول و فعل کا ظہور ہوتا ہے، وہ امرِ کل اور فعلِ کل ہے یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ کا کُن (ہو جا)، فرمانا اور کائنات کو پھیلانا اور پھیٹ لینا، پھر اس کا تجددِ امثال ہوتا رہتا ہے۔

۹ پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کے بارے میں مذکور ہے کہ: "كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي وَفِي جَوْفِهِ أَزْيِزٌ كَأَزْيِزِ الْمُرْجَلِ" جب پیغمبرِ خدا صلعم نماز پڑھتے تو آپ کا سینہ اس طرح جوش مارتا جیسا کہ بچہ ہوتی دیک جوش کھاتی ہے، اور حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں روایت

ہے کہ آپ نماز کا ارادہ فرماتے تو آپ کے جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا، یہ پیغمبر اور اولیائی عبادت کا سب سے اعلیٰ نمونہ ہے۔

۱۰۔ اہل تصوف رُوسیت (دیدارِ الہی) کے قائل ہیں، کیونکہ مشاہدہ حق کے بغیر اصل معرفت محال ہے، اور معرفت وہ مقصد خداوندی ہے، جس کے پیش نظر جنّ و انس کی آفرینش عمل میں آئی، جیسا کہ حضرت باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَا تَلَقَّوْا الْجَنَّةَ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (آیہ یَعْرِفُونِ ۵۶) میں نے جنّوں اور انسانوں کو اپنی عبادت یعنی اپنی معرفت کے لئے پیدا کیا ہے۔ عبادت میں یقیناً مفہوم معرفت بھی موجود ہے، اس لئے آیہ پاک و پرِ حکمت کا یہ صوفیانہ ترجمہ بالکل درست ہے (دیکھئے کتاب کشف المحجوب، پہلا کشفِ حجاب معرفتِ الہی)۔

۱۱۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جس طرح ایمان، علم، نیک عمل، اور دیگر اوصاف حمیدہ کی پختگی و کمالیت درجہ بدرجہ ممکن ہو جاتی ہے، اسی طرح معرفت کے بھی بہت سے درجات ہیں، البتہ ایک مومن سالک کی روحانیت میں انہی درجوں کی سیڑھی ہے، جس کی مسافت پچاس ہزار سال کی ہے (۱) تاہم خداوند تعالیٰ جن مومنین کو نورِ ہدایت عطا فرماتا ہے، اُن کا یہ نور ان کو لے کر ان درجات میں بڑی سرعت سے دوڑتا ہے (۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷،



سُبُلِ اللہ علیہ وآلہ وسلم انتہائی برق رفتاری سے معراج پر گئے تھے،  
پس ہدایت اور منزلِ آخرین کا سب سے بڑا راز اسی میں پوشیدہ ہے۔  
۱۲ قرآن عزیز مذکورہ مومنین کی ترجیحی فرماتا ہے: یَقُولُونَ دُنَّا  
اَتَمِّمْ لَنَا نُوْدًا۔ اے پروردگار ہمارے لئے ہمارے نور کو  
(درجہٴ تمامیت پر پہنچا کر) کامل کر دے (۶۶) پس ظاہر ہے کہ اس نور  
کا مقصد ہدایت اور معرفت ہے، یعنی اس کا کام ہے مرتبہٴ انتہا تک  
مومن کی رہنمائی کرنا اور تجلیاتِ ازل کے بھیدوں سے اس کو واقف  
آگاہ اور شناسا کر دینا، تاکہ عارف معرفت کی بیشال اور لازوال دولت  
سے ہمیشہ مالا مال رہے۔

منگل ۲۲ جمادی الثانی ۱۴۰۹ھ ۳۱ جنوری ۱۹۸۹ء

# برکاتِ قرآن

۱۔ عالم مادیت کا ہر پھول، ہمیشہ سے ایک ہی قسم کے رنگ و بو کا حامل ہوا کرتا ہے، لیکن گل ہائے روحانیت بدرجہ انتہا عجیب و غریب ہوتے ہیں، کہ اُن میں سے ہر گل اپنی گوناگون اور لامحدود تجلیوں کی بدولت ایک بھرپور گلستان کا کام دیتا ہے، مثال کے طور پر لفظ ”برکتہ“ کو لیجئے، جو علمی و عرفانی بہشت کا ایک خوبصورت اور دل آویز پھول ہے، جس میں انتہائی عمیق معنویت و حکمت کے دل کشا اور جان فزا پھولوں کی ایک لطیف کائنات سمائی ہوئی ہے، پس برکت میں علم و حکمت کی اتنی زیادہ رنگینیاں اور خوشبوئیں ہیں کہ کوئی بشر اُن کا شمار ہی نہیں کر سکتا، کیونکہ برکت کے معنی ہیں بے پایاں خیر الہی، یعنی عقل، روح، اور جسم کی خاطر لا انتہا نعمتوں کا پیدا ہوتے رہنا۔ ۲۔ برکت کی رفعت معنوی اور علو شان کا یہ عالم ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پاک کے وصف کے لئے پسند فرماتے ہوئے قرآن حکیم کے کُل اُلو مقامات پر ارشاد فرمایا: تبارک الذی (با برکت ہے وہ



ذات (تبارك الله) (بابرکت ہے خدا) (تبارك اسْمُ رَبِّكَ  
(بابرکت ہے تمہارے رب کا نام) نیز پروردگارِ عالم نے قرآن  
کریم کو باطنی، ظاہری، علمی، عرفانی، اور آسمانی طِب و شفائی بیشمار  
برکتوں سے مالا مال و مُزین فرما کر ”مُبَارَك“ (برکت والا) کے اسم  
سے موسوم کیا، اس سے ظاہر ہے کہ اللہ تبارك تعالیٰ کی برکت انتہائی عظیم  
نعمت ہے، جو کبھی ختم نہیں ہوتی۔

۳۔ قرآنی برکات کا ظہورِ اول کلمہ کُن، قلم الہی (کتابِ مکنون)  
اور لوحِ محفوظ میں ہوا، جس کا تجددِ امتثالِ عالمِ امر میں جاری و ساری  
ہے، اور اگر یہ اصل برکت چشمہ زائندہ کی طرح ہمیشہ جاری اور  
روان دوان نہ رہتی، تو دونوں جہان کی تمام ذیلی برکتیں لازماً  
منقطع ہو جاتیں، یعنی یہ ممکن ہی نہیں کہ امرِ کل (ہو جا کا حکم) جو کلام  
خدا اور سرچشمہ قرآن ہے، وہ کبھی خاموش ہو جائے، کیونکہ اس کی  
بدولت نہ صرف جدید چیزیں عرصہ وجود میں آتی رہتی ہیں، بلکہ  
جو اشیاء موجود ہیں، وہ بھی اپنے قیام و بقا کے لئے اسی حکم  
کی فیض رسانی کی سخت محتاج ہیں۔

۴۔ اہل معرفت کہتے ہیں کہ یک حقیقت کے قانون کے مطابق امرِ کل قرآن  
اور اسمِ اعظم ایک ہی چیز ہے، اسی میں تخلیق و تعمیر کی تمام برکتیں  
پوشیدہ ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی امرِ کن (ہو جا) سے عالم  
شخصی کو پیدا کیا، وہ اس طرح کہ خالقِ اکبر نے اپنا یہ کام عالمِ امر

میں ابداعی طور پر کسی تاخیر کے بغیر پورا کر لیا، اور عالم خلق میں  
 چھ دن میں، چھ دن سے چھ روحانی منزلیں مراد ہیں، جو چھ عظیم رسولوں  
 سے متعلق ہیں: منزل حضرت آدمؑ (انوار)، منزل حضرت نوحؑ (سوموار)،  
 منزل حضرت ابراہیمؑ (منگل)، منزل حضرت موسیٰؑ (بدھوار)، منزل حضرت  
 عیسیٰؑ (جمعرات)، اور منزل حضرت محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (یوم جمعہ)،  
 ان چھ دنوں یعنی چھ منزلوں میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے عالمِ صغیر (عالمِ  
 شخصی) کے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، پھر اُس نے عرش پر بیٹھ کر  
 کمرِ مساواتِ رحمانیہ کے اسرار کو منکشف کر دیا۔

۵. سورہ ظہ میں یاری تعالیٰ کا ارشاد ہے: الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ  
 اسْتَوٰی (۲۵) حکمت: اُس بڑی رحمت والے نے مرتبہ عرش پر  
 مساوات کا کام کیا۔ س۔ د۔ ی کے مادہ سے مُساوۃ (مساو کا تثنیہ)  
 کے معنی ہیں دو چیزوں کے ایک دوسرے کے برابر ہونا، جیسے قرآن  
 پاک میں ہے: قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ  
 (۳۹) تم کہو کیا علم والے اور جہل والے برابر ہوتے ہیں۔ نیز ملاحظہ  
 ہو: مفردات القرآن، مذکورہ مادہ۔ اور اسی کتاب میں لفظ عرش  
 کو بھی دیکھیں۔

۶. قرآن مجید ہی کی لا تعداد برکات میں سے ہے کہ اس میں جس  
 طرح لوگوں کے مختلف درجات کا ذکر ہے، اسی طرح مساوات (یک حقیقت)  
 کا بھی تذکرہ ہے، جس کی پہلی دلیل یہ ہے: لوگ (ازل میں) ایک



ہی گمروہ تھے پس (اس وحدت و سالمیت کی خاطر) خداوند تعالیٰ نے پیغمبروں کو مبعوث فرمایا جو کہ بشارت دینے والے اور ڈرانے والے تھے اور ان کے ساتھ الكتاب نازل فرمائی جو حق پر مبنی تھی (۲/۲۱۳) جہاں تمام پیغمبروں کی آسمانی کتابیں باطنی طور پر مل کر الكتاب کہلاتی ہیں، وہاں یہ مجموعہ کتب مقدسہ قرآن عظیم ہی ہے، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرکز انبیا و مرسلین ہیں، اور اس سلام ان شاء اللہ ایک دن جامع ادیان عالم ثابت ہوگا، خواہ یہ سب سے بڑا معجزہ ظاہر میں ہو یا باطن میں۔

۷۔ مساواتِ رحمانیہ کی دوسری دلیل اس قرآنی ارشاد میں ہے :  
 مَا خَلَقَكُمْ وَلَا يَعْثُبُكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَاحِدَةٍ (۳۸) تم سب کا پیدا کرنا اور زندہ کرنا بس ایسا ہی ہے جیسا ایک شخص کا۔ یعنی انسانوں کا یہ فرق و تفاوت درمیان ضرور ہے، لیکن ان سب کی ازلی وابدی حالت یکساں ہوتی ہے، جیسے حضرت آدمؑ کے نزدیک یعنی آپس کے عالم ذر اور عالم ابداع و انبعاث میں سارے لوگ نفس واحدہ کی طرح ایک تھے، اور ہر انسان کامل کی روحانیت میں یہ عظیم معجزہ بالکل اسی طرح وقوع پذیر ہو جاتا ہے۔

۸۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ خالق یکتا نے ہر شخص کو جیسے ایک عالم صغیر کا درجہ عطا فرمایا ہے، ایسے اس کو بے حساب ذرات روحانی کی صورت میں جملہ خلایق کا مجموعہ بنا دیا ہے، پس اگر کسی عالم شخصی کی بدجہ

کمال روحانی ترقی ہو جاتی ہے، تو یہ اُن بے شمار روحوں کے حق میں، جو اس میں ہیں، مساواتِ رحمانی جیسی انتہائی عظیم رحمت ثابت ہو جاتی ہے، کیونکہ قرآن پاک کا حکیمانہ اشارہ ہے کہ: جو شخص کسی آدمی کو ناحق مار ڈالے وہ گویا تمام لوگوں کو قتل کرتا ہے، اور جو کسی کو (یعنی عالمِ شخصی کو علم و معرفت سے) زندہ کرے تو وہ گویا سب لوگوں کو زندہ کر دیتا ہے (۵/۲۸) کیونکہ ایک آدمی میں دُنیا بھر کے لوگ موجود ہیں۔

۹۔ خدائی مساوات کی چوتھی دلیل یہ حدیثِ شریف ہے: الخلقُ كُلُّهُم عِيَالُ اللّٰهِ فَاَحْبَبُّهُم اِلَى اللّٰهِ اَنْفَعُهُمْ لِعِيَالِهِ۔ مخلوق سب کی سب (گویا) اللہ کا کنبہ ہے لہذا جو اس کے کنبے کو زیادہ فائدہ پہنچائے گا وہی اللہ کے نزدیک زیادہ محبوب ہوگا۔ اس پُر حکمت حدیثِ نبوی سے یہ روشن حقیقت بڑی عمر گئی سے دلنشین ہو جاتی ہے کہ سارے لوگوں کا مبداء و معاد (جائے شروع اور مرجع) ایک ہی ہے، جس میں وہ سب اُمتِ واحدہ ہو جاتے ہیں (۲۳/۳) کیونکہ انسان دراصل ایک ہی ہے، اور باقی سب طوعاً و کرہاً اس میں فنا ہیں۔

۱۰۔ سورۃ اعراف (۷/۴) میں حق تعالیٰ کا فرمانِ اقدس ہے (ترجمہ): اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیز کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے۔ ترجمہ و تفسیر کے علاوہ اس آیتِ مبارکہ کی ایک بہت بڑی حکمت بھی ہے، اور وہ یہ ہے، قریہ ہائے ہستی یعنی عوالمِ شخصی کے باشندے اگر حقیقی معنوں میں مومن ہوتے



اور جیسا کہ چاہئے تقویٰ اختیار کرتے، تو ہم ان پر روحانیت کے آسمانِ زمین کی برکتیں یعنی علم و حکمت کی صاف، پاک، اور شیرین نہریں جاری کر دیتے۔

۱۱۔ برکت کی بنیادی قسمیں تین ہیں: عقلی (علمی)، روحی، اور مادی پھر ان تینوں سے اُن گنت شاخیں پھوٹی ہیں، چنانچہ قرآنی برکات عالمگیر اور ہمہ رس اس لئے ہیں کہ روحِ قرآن (۲۲) خداوند تعالیٰ کا قدیم کلام ہے، جو حسی و ناطق ہے، جس کا اولین متعلق عقل (قلم، نور، گوہر، کتاب، مکنون) روحِ اعظم (نفسِ کُمل، لوحِ محفوظ) اور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے، اور پھر ان عظیم بھیدوں کی عملی اور کامل معرفت حضور کے جانشین اولیا کو حاصل ہے۔

۱۲۔ خزانہ قرآن کی برکتوں سے کائناتِ ظاہر اور عالمِ شخصی مملو اور معمور ہیں، لہذا ان فیوض و برکات کو نہ کوئی زوال ہے، اور نہ ان میں کوئی کمی واقع ہو سکتی ہے، قرآنی طب و شفا کی خصوصی برکت بصورتِ علم و حکمت حاصل ہو سکتی ہے، جس کی ایک خاص شرط تفکر و تدبر ہے، تاکہ اس فکرِ جد و جہد کے پُر خلوص عمل سے عالمِ لاہوت کے بیشمال نسخہ ہائے کیمیا منکشف ہو سکیں، البتہ یہ سوال پیدا نہیں ہو سکتا کہ آیاتِ قرآنی میں غور و فکر کیوں ضروری ہے، جبکہ قرآن حکیم خود اپنی متعدد آیاتِ کریمہ میں نہ صرف زور دیکر تفکر و تدبر کی اہمیت کو بیان کرتا ہے، بلکہ اُن لوگوں کی تعریف و توصیف بھی فرماتا ہے، جو آیات میں

سوچنے کے عادی ہیں، اس سے یہ نکتہ دلپذیر بڑی صفائی سے ذہن نشین ہو جاتا ہے کہ قرآن حکیم کے معنوی سمندر کی گہرائیوں میں کائنات و موجودات کے جواہر اسرار مخفی ہیں، تاکہ صاحبانِ عقل ہر صدف سے دُرِ قیم حاصل کریں۔

۱۳۔ حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ قرآن میں طوفانِ آبی طوفانِ روحانی پر حجاب کا کام کر رہا ہے، کیونکہ حجاب اور کشفِ حجاب خدا کی محبوبیت کی سنت ہے (۳۲/۵۱) چنانچہ ظاہری طوفان کی مثال میں باطنی طوفان کا ذکر کرتے ہوئے حق تعالیٰ نے فرمایا (ترجمہ)؛ کہا گیا کہ اے نوحؑ (اب جو دی پر سے زمین پر) اتر دہمار کی طرف سے سلامتی اور برکتوں (کے خزانے) کے ساتھ جو تم پر (رفہ رفہ) نازل ہوں گی اور ان جماعتوں پر کہ تمہارے ساتھ ہیں (اللہ) یہاں جماعتیں انبیاء علیہم السلام ہیں، کہ ان میں سے ہر فرد ایک اُمت ہے، اور یہ حضرت نوح علیہ السلام کے طوفانِ روحانیت سے اُترنے کا ذکر ہے، کیونکہ عقل و جان کی سلامتی اور علم و معرفت کی بے شمار برکتیں صرف روحانی انقلاب (طوفانِ ذاتی قیامت) ہی میں ہو سکتی ہیں۔

نصیر الدین نصیر (حُب علی) ہونزائی

بدھ یکم رجب المرجب ۱۴۰۹ھ ۸ فروری ۱۹۸۹ء



# انبیاء کی پیروی اور رفاقت

۱۔ جو خوش بخت مومنین قرآنی حکمتوں کے شیدائی اور دلدادہ ہیں، ان کے لئے کلام الہی کی بہشت برین میں کس علمی نعمت کی کمی ہو سکتی ہے، آیت ہم شکر کُن ان اللہ تعالیٰ کی کتاب عزیز میں غور و فکر کرنے کی سعادت حاصل کریں، ان شاء اللہ یہی پاکیزہ عمل ہمارے امراض باطن کا علاج و معالجہ ثابت ہوگا، اور یہ ایک یقینی حقیقت ہے کہ اسرار قرآن میں آسمانی طب کے تیر بہدف (سریع التأثير) نسخے پوشیدہ ہیں۔

۲۔ قرآن کریم میں سب سے پہلے یہ اشارہ تعلیم یہ حکم ہے کہ ہو: اٰھدنا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ۔ صراط الذین انعمت علیہم (۱۵۰-۱۶۱) چلا ہم کو سیدھا راستہ، اُن لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا ہے۔ ظاہر ہوا کہ اہل ایمان کو یہ امر خداوندِ عالم راہِ اسلام پر چل کر آگے سے آگے جانا ہے، مگر یہ بہت بڑا کام صرف اور صرف نورِ ہدایت ہی کی روشنی میں ممکن ہے، جو انبیا و اولیا علیہم السلام کے توسط

سے حاصل ہو سکتی ہے، سورہ فاتحہ کی اس عظیم الشان تعلیم میں منشاء  
ایزدی یہ بھی ہے کہ مومنین صراطِ مستقیم اور منازلِ روحانیت میں نہ  
فقط ترقی کریں، بلکہ تمام تر روحانی اور عرفانی نعمتوں سے بھی مستفیض و بہرہ مند  
ہوتے جائیں، کیونکہ یہ راستہ مُنْعَم علیہم (العام یافتہ گان) کا ہے،  
جس کے ہر قدم اور ہر مرحلے میں نعمتیں ہی نعمتیں ہیں، اور یقیناً اللہ  
کی ساری نعمتیں بندوں ہی کے لئے ہوا کرتی ہیں۔

۳. اگر آپ صراطِ مستقیم پر روحانی ترقی و پیشرفت اور اس کی  
لامحدود نعمتوں کے بارے میں بنیادی حقیقتوں کو جاننا چاہتے ہیں، تو  
پھر آپ کو سورہ نسا کی آیت ۶۹ میں خوب غور کرنا ہوگا، اسی آیہ کریمہ  
میں دیکھتے کہ خدا و رسولؐ کی اطاعت و فرمانبرداری کا اجر و صلہ کیا ہے؟  
انبیاء، اولیاء، شہداء، اور نیکوکاروں کے ساتھ ہونا، یعنی جن حضرات کو رب  
کریم نے اپنی خاص خاص نعمتوں سے نوازا ہے، ان کے پیچھے پیچھے  
بمعنی ان کے ساتھ اور ان کی رفاقت میں سفرِ روحانیت کی منزلوں کو  
طے کرنے کی سعادت، کیونکہ مذکورہ بالا آیہ کریمہ میں لفظ مَعَ اور رفیق وارد  
ہوا ہے، اور ان دونوں لفظوں میں حکمت کی کلیدیں پوشیدہ ہیں، جن  
میں درست زاویہ نگاہ سے دیکھنے اور صحیح اندازِ فکر سے نتیجہ نکالنے کی  
ضرورت ہے۔

۴. چونکہ روحانیت مکان و زمان کی قید سے بالا و برتر ہوا کرتی  
ہے، لہذا ہر باسعادت پیرو اپنے پیشرو (ہادی) کے نقش قدم پر چلتے



ہوئے بھی رہنما کے ساتھ ہوتا ہے، اور وہ اس کا رفیق (ساتھی، یار) ہوتا ہے، یہی مطلب سورۃ نسا کے رکوع نہم (۴۹) میں ہے، یہ بات دراصل نور ہدایت کے روحانی ظہور اور موجودگی سے متعلق ہے کہ وہی عالم شخصی میں انبیا، صدیقین، شہداء، اور صالحین کی نمائندگی کرتا ہے اور یہی نور واحد بھی ہے، اور جمع بھی، جبکہ وحدت النوار کا قانون نور علی نور ہے (۳۵، ۲۳)۔

۵. حقائق و معارف کی انتہائی عظیم کائنات، اگرچہ مکان و زمان کی بے پناہ وسعتوں میں پھیلی ہوئی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے قبضہ قدرت میں اسے پلیٹ کر عالم صغیر میں محدود کر دیتا ہے (۳۹)۔ یہ قیامت صغریٰ کا واقعہ ہے، جس میں نہ صرف لوگوں ہی کے اولین و آخرین مجموع ہو جاتے ہیں (۶۹-۷۰)، بلکہ تمام چیزیں بھی یکجا کر دی جاتی ہیں (۶۱) اور اس میں کوئی شک و شبہ ہی نہیں کہ خدائے عز و جل ایک ہی حقیقت کو طرح طرح کی مثالوں میں بیان فرماتا ہے (۱۸، ۱۹)۔

۶. پروردگار عالم کا یہ بزرگ خطاب اہل معرفت سے ہے (ترجمہ): اور ہم نے تم کو پیدا کیا پھر ہم نے ہی تمہاری (روحانی) صورت بنائی پھر ہم نے (تمہارے سامنے یعنی عالم شخصی میں) فرشتوں سے فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو (۱۱)، پس اسی طرح انبیا و اولیا کی رفاقت نصیب ہو جاتی ہے، آپ اس واقعہ کو تجدد امثال کا معجزہ، رفیع زمان ہنظاہر نور حقیقتوں کی یکجائی، کشف اسرار، مرتبہ عین البقین، نفس واحدہ،

امام مبین، اُمّ الکتاب، نامتہ انبیا و اولیا، اور فنا فی الرسولؐ بھی کہہ سکتے ہیں۔

۷۔ جو مومنین خدا اور اس کے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری کے مرتبہ فنا کو حاصل کرتے ہیں، وہ اپنے سفر روحانی میں حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کس طرح ہو سکتے ہیں، اس کے لئے سورۃ یونس (۱۰۶، ۱۰۷) میں دیکھتے: اور ایک نشانی (ایۃ) ان کے لئے یہ ہے کہ ہم نے ان کے ذراتِ روح کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا، اور ہم نے اُن کے لئے اُس جیسی (روحانی) کشتی بنائی جس پر یہ لوگ سوار ہو سکتے ہیں (۱۰۶، ۱۰۷) خدا کی آیت ائمہؑ نشانی اور لازوال معجزہ کا نام ہے، جو عالم شخصی میں دیکھنے کی غرض سے ہمیشہ موجود ہوا کرتا ہے، اور اس میں کوئی شک ہی نہیں کہ اہل معرفت اپنی ذات میں طوفان اور کشتی نوحؑ کا مشاہدہ کرتے ہیں، سورۃ نور (۲۴) میں بنظر حکمت دیکھ لیں (مفہوم): جہاں قرآن مجید کے روحانی پہلو کا تعلق لوح محفوظ سے ہے، وہاں بولتی آیات موجود ہیں، ان میں زمانہ سلف کے انبیا و اولیا کے تمام واقعات و معجزات کا تجددِ امثال پایا جاتا ہے۔

۸۔ عالم شخصی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک مثال یہ ہے کہ شروع شروع میں جب مومن سالک کی دیدہ باطن کھل جاتی ہے تو اُس وقت تیز روشنی اور طرح طرح کی صورتیں نظر آتی ہیں، اگر حضرت



ابراہیمؑ جیسے موحّد اعظم کی نگاہ سے دیکھا جائے، تو یہ کچھ تجلیات نہیں، بلکہ سب کے سب اصنام ہی ہیں، اس لئے خلیل اللہؑ بڑے صنم کو چھوڑ کر باقی سب بُتوں کو ریزہ ریزہ کر دیتے ہیں (۲۱)۔

۹۔ ایک اور مثال یہ ہے کہ خدا کے دوستوں کی غیبت، بدخواہی، حسد، دشمنی اور معاندانہ کوشش درحقیقت آتشِ نمرود کہلاتی ہے، لیکن قادرِ مطلق کی قدرت دیکھئے کہ ان کے عالمِ شخصی میں معجزہ خلیلی کا تجدّد ہوتا ہے، اور اس آگ سے گلشنِ روح و روحانیت بنایا جاتا ہے، جیسا کہ حق تعالیٰ کا بابرکت ارشاد ہے: قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ اِبْرَاهِيمَ (۲۲) ہم نے کہا اے آگ تو ٹھنڈی اور سلامتی (تائیدِ روحانی) ہو جا ابراہیمؑ کے حق میں۔

۱۰۔ انسان اپنی ہستی میں پوری کائنات کا خلاصہ بھی ہے، اور عالمِ دین کا نمونہ بھی، چنانچہ عالمِ شخصی کی امکانی روحانیت میں اتنی بڑی لپک ہے کہ اس سے انبیاء علیہم السلام کے معجزات کی ترجمانی ہو جاتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضراتِ انبیاء نفسِ واحدہ ہیں، اس لئے ان کے معجزات ایک جیسے ہیں، اگرچہ مثالیں مختلف ہیں، چنانچہ عالمِ شخصی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک عام مثال یہ ہے کہ آپ اُس پھڑپھڑے کو جلا کر دریا میں بکھیر دیتے ہیں، جو سامری نے زیورات سے بنایا تھا، زیورات سے ابتدائی روحانیت کی چمکیلی چیزیں مراد ہیں، جو واقعا سیم و زر اور دُرّ و گوہر کی مصنوعات جیسی نظر

آتی ہیں، سامری شیطان ہے، اور پھڑا وہ نفس حیوانی، جس کو شیطان سجاتے، پھڑے کو جلا کر دریا میں ڈالنے کے معنی ہیں، ہادی برحق سے رجوع کر کے نفس کو آسمانی عشق کی آگ میں گھلانا اور جلانا، پھر اس کے ذراتِ خاکستر کو ہمیشہ کے لئے دریائے علم و حکمت میں ڈال دینا (۲۶)۔

۱۱، حضرت موسیٰ کے قصہ قرآن میں ہے: اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم تم اللہ تعالیٰ کے انعام کو جو تم پر ہوا ہے یاد کرو، جبکہ اُس نے تم میں (یعنی دین اور عالم شخصی میں) پیغمبر بنائے اور تم کو سلاطین بنایا (۵)، یعنی یہ خدا کا کتنا عظیم احسان ہے کہ اُس نے دین میں انبیا بنائے، جو عالم شخصی تک رسا ہیں، تاکہ نتیجے کے طور پر تم کو بادشاہ بنا دیا جائے (و جعلکم ملوکاً ۵)، چنانچہ جو مومنین حضرت ہارونؑ، حضرت موسیٰؑ اور اللہ میں فنا ہو چکے تھے، وہ بادشاہ ہو گئے تھے، اور اللہ تعالیٰ کی سنت میں کوئی تبدیلی نہیں پائی جاتی۔

۱۲، حضرت عیسیٰ علیہ السلام بحکم خدا نہ صرف ذاتی روحانیت میں بلکہ مومنین کے عالم شخصی میں بھی اسلم اعظم پڑھ کر پرندے (ابداً می کمرتے) بناتے تھے (۳۹)، یہ اجسام لطیف اور مومن جنات میں (۱۱، ۱۲)، اور حضرت عیسیٰ کے بارے میں یہ بھی ارشاد ہوا ہے: وَجَعَلْنِي مَبْدَاً كَا اَيْنَ مَا كُنْتُ (۱۹) اور اُس نے مجھ کو برکت والا بنا دیا جہاں کہیں بھی



ہوں۔ یعنی چاہے میں کلمہ میں ہوں (۳۵) یا روح اور اپنی والدہ میں (۳۶) خواہ میں عالم دین میں ہوں یا عالم شخصی میں، چاہے میں اپنوں کے سامنے ہوں یا اُن سے دُور، بہر حال خدا نے مجھے برکت والا بنا دیا ہے۔

۳۳۔ حضرت محمد مصطفیٰ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سارے جہانوں کے حق میں رحمت کا انتہائی عظیم مرتبہ رکھتے تھے، لہذا آپ ہی کا نورِ اقدس و اطہر خداوند تعالیٰ کے حکم سے تمام پیغمبروں میں کام کر رہا تھا، اسی طرح حضورِ نورِ تمام انبیاء میں تھے، اور سب آپ کی ذاتِ اقدس میں جمع ہو گئے، جیسا کہ سرورِ انبیاء صلعم کا ایک مبارک نام حَاشِر ہے، یعنی جمع کرنے والا، جناب رسالت مآب اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے وہ روشن چراغ ہیں، جو عالم شخصی کو نورِ علم و حکمت سے جگمگا سکتا ہے (۳۴) خواب و روحانیت میں اہل ایمان کو جتنی اور جیسی بشارتیں ملتی ہیں، وہ سب رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے توسط سے ہیں، کیونکہ آپ ہی مُبَشِّر ہیں (۳۵) اگرچہ حقیقت بس یہی ہے کہ خلوتِ نگاہِ معراج میں خدا اور پیغمبر کے سوا اور کوئی نہیں تھا، تاہم یہ کیسے ممکن ہے کہ جو لوگ فنا فی الرسول اور فتا فی اللہ ہو جاتے ہیں، اور اللہ تبارک و تعالیٰ جن کی آنکھ ہو جاتا ہے، وہ معراج کا مشاہدہ نہ کر سکیں۔

نصیر الدین نصیر (حَبِّ عَلی) مہنوزائی

بدھ ۸، رجب المرجب ۱۴۰۹ھ ۱۵ فروری ۱۹۸۹ء

# درد سے درد کا علاج

اگر ”درد سے درد کا علاج“ جسمانی حالت میں یوں ہے کہ تلخ دوائیوں اور پرہیز جیسی چھوٹی تکلیف کو برداشت کر کے کسی بیماری کی بڑی تکلیف سے چھٹکارا حاصل کیا جاتا ہے، اور اگر کسی مرض کا دفعیہ اپریشن (جیر بھاڑ) ہی سے ہو سکتا ہے، تو اس کو بھی باعثِ صحت تسلیم کرتے ہوئے صبر و ہمت سے کام لینا پڑتا ہے، تاکہ مستقل علت کا سد باب ہو سکے، اور نا وقت ہلاکت نہ ہو، یہی حال روحانی علاج کا بھی ہے کہ اس میں بھی درد سے درد کا علاج کیا جاتا ہے۔

۲۔ یہ صوفیوں اور درویشوں کی گریہ و زاری کیا ہے؟ احساسِ درد پس ماندگی ہے، جو آگے بڑھ کر سب سے بڑے درد سے شفا پانے کی خاطر ہے، یہ عاشقوں کا کراہنا اور آہ بھرنا کیا ہے؟ اظہارِ درد ہے، تاکہ دردِ عشق میں شدت پیدا ہو، اور پھر دیدار سے دردِ جہالت کا علاج ہو جائے، کیونکہ جہالت ہی سب سے بڑی اور سب سے بُری بیماری ہے، اور کسی شک کے بغیر سب سے بُرا عذاب بھی یہی



ہے، اس لئے کہ داناؤں کے نزدیک جسمانی درد کے مقابلے میں روحانی درد بڑا سخت ہے، اور اس سے بھی شدید درد عقلی کیفیت میں ہے، اور وہ جہالت و نادانی ہی ہے۔

۳۱ آپ قرآن کریم میں تضرع کے موضوع کو خوب غور سے پڑھ لیں کہ جب خدا کے حکم سے انفرادی یا اجتماعی تکالیف، بیماریاں، اور بلائیں آتی ہیں، تو ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ اس ظاہری اور جسمانی درد کی حکمت کو سمجھ لیا کریں، اور اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بارگاہِ ایزدی میں مناجات اور گریہ و زاری کریں، تاکہ بفضلِ خدا اس درد سے روحانی اور عقلی درد کا علاج ہو جائے۔  
(۶۳-۶۴، ۹۴، ۲۳۶-۲۳۷)

۳۲ سورۃ بقرہ کی آیات مبارکہ ۱۵۵ تا ۱۵۷ پیش نظر ہوں، جیسا کہ ارشادِ مقدس کا ترجمہ ہے: اور البتہ ہم تم کو آزمائیں گے کچھ خوف سے اور بھوک سے اور مال و جان اور پھلوں کی کمی سے اور ایسے صبر کرنے والوں کو بشارت دو کہ ان پر جب کوئی مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم خدا ہی کے ہیں اور ہم اسی کی طرف پھر جانے والے ہیں ان لوگوں پر ان کے رب کی طرف سے درد بھی ہے اور رحمت بھی، اور یہی لوگ راہِ ہدایت پر چلتے ہیں۔ یہ سب نفسانی آلام یعنی دردوں کا بیان ہے، اور معلوم ہے کہ وہی نفس حیوانی، جو راحت و آسائش میں تو سن بدرکاب کی طرح ہوتا تھا، اب درد و

الم یعنی مصیبت کی برکت سے دم بخود ہو کر سرکشی سے باز آتا ہے، پس ایسے میں دانا مومن کثرت و کامیابی سے اللہ کو یاد کرتا ہے، تاکہ قولاً و فعلاً یہ ثابت ہو سکے کہ وہ خدا کا بندہ ہے، اور اسے زندگی میں بھی اور مرکز بھی اللہ تبارک و تعالیٰ سے رجوع کرنا ہے۔

۵۔ قرآنی معنوں کا اولین تعلق مقامات روحانیت سے ہوتا ہے، پھر وہ احوال ظاہر پر بھی محیط ہو جاتے ہیں، چنانچہ مذکورہ بالا آزمائشوں کے ظاہری پہلو کو سب جانتے ہیں، لہذا میں یہاں ان کے روحانی پہلو کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہوں گا وہ یہ کہ بعض اوقات درویشوں پر خواب و روحانیت میں خوف و ہراس مسلط کیا جاتا ہے، یہ نفس گشتی کا ایک عمدہ وسیلہ ہے، بھوک یہ ہے کہ کوئی شخص روحانی غذاؤں کی نایابی کا بڑی سختی سے احساس رکھے، مالی نقصان یہ ہے کہ کوئی باسعادت مومن اپنی کم علمی کو شدت سے محسوس کرے، جان کی کمی اس طرح ہے کہ ہوشمند اپنی روح کے اصل مرتبہ اور موجودہ حالت کے درمیان جو فرق ہے اُس پر صریح معنوں میں افسوس کرے، اور پھلوں کا نقصان یوں ہے کہ تائیدات ربانی کی بارش کبھی برستی رہتی ہے، اور کبھی تھم جاتی ہے، اور یہاں صبر کے معنی ہیں روحانیت کی بلاؤں اور آزمائشوں سے ثابت قدمی کے ساتھ گزرتے ہوئے آگے جانا، بشارت انفرادی اور عملی ہے، جو خواب و روحانیت کی مختلف صورتوں میں سنائی جاتی ہے۔



۶۔ نیز جانی نقصان جس طرح ظاہر میں موت واقع ہونے کا نام ہے، اسی طرح باطن میں یہ وہ موت ہے، جو کسی خوش نصیب سالک پر مرگِ جسمانی سے قبل وارد ہو جاتی ہے، ہر چند کہ بحقیقت نقصان نہ اس میں ہے، اور نہ اس میں، لیکن بتقاضائے ظاہر حکیمانہ بیان ایسا ہے، پس یہ ترتیب بالکل حکیمانہ ہے کہ پہلے خوف ہے، پھر روحانی بھوک، پھر مالی نقصان، جن کی وضاحت ہو چکی، اور اس کے بعد نفسانی موت، اب روحانی پھلوں کی بارش، پھر اس طوفان کا تھم جانا، اس کے بعد درود، پھر رحمت، اور آخر میں ہدایت، یعنی منزل مقصود تک رسا ہو جانا، یا واصل بحق ہو جانا۔

۷۔ درد کو قرآن حکیم کی زبان میں الم کہتے ہیں، اور اس کی جمع المام ہے، چنانچہ سورہ نساء میں فرمایا گیا ہے (ترجمہ): اور (مسلمانو!) دشمنوں کے پیچھا کرنے میں سستی نہ کرو، اگر لڑائی میں تم کو درد پہنچتا ہے تو جیسی تم کو تکلیف پہنچتی ہے ان کو بھی ویسی ہی اذیت پہنچتی ہے اور تم خدا سے وہ اُمیدیں رکھتے ہو جو ان کو (نصیب) نہیں (ہیں)، اس قرآنی تعلیم میں یہ عظیم حکمت ہے کہ درد مسلمانوں کے ایمان و روحانیت کے لئے باعث ترقی بھی ہے اور دشمنانِ دین کے کفر و انکار کے لئے ذریعہ علاج بھی۔

۸۔ ایک اور درد ہے، جو عام ہونے کے باوصف بیدِ مقید ہے، اور وہ ہے ہمدردی، یعنی دوسروں کے دکھ درد میں غم گساری،

درد مندی، اور رحمدلی، جو اوصاف آدمیت کو صفائی اور جلال بخشی ہے،  
جیسا کہ گلستان میں ہے:-

ہنی آدم اعضائے یکدگر کند کہ در آفرینش ز یک گوہرند  
چو عضوے بدر آرد در زنگار دگر عضو ہارا نماں قرار  
تو کو محنت دیگران بے غمی نشاید کہ نامت نہند آدمی  
ترجمہ: فرزندانِ آدمؑ ایک دوسرے کے اعضا ہیں، اس لئے کہ ان کی  
پیدائش ایک ہی جوہر سے ہوئی ہے۔ جب کوئی عضو زمانہ کے  
ہاتھوں درد میں مبتلا ہو جاتا ہے، تو دوسرے اعضا بھی بیقرار ہو  
جاتے ہیں۔ اے شخص تو جو دوسروں کی تکلیف سے بے غم ہے،  
مناسب نہیں کہ تجھے آدمی کہا جائے۔

۹۔ میں نے ملک چین میں ایک ایسے درویش کو دیکھا، جو بالکل  
تندرست تھا، مگر اس کی عجز و انکاری بھری ہوئی گفتگو ایسی لگتی تھی، جیسے  
وہ کسی شدید بیماری میں مبتلا ہو، اور وہ مریضانہ لہجے میں ذکر و مناجات  
کرتا تھا، یعنی کراہتے اور آہ بھرتے ہوئے اللہ کو یاد کرتا تھا، یہ  
وہ طریقہ درویشی ہے، جس سے دل کی بیماری رفتہ رفتہ نکل کر حقیقی  
صحت بحال ہو سکتی ہے، اس موقع پر مظاہر قدرت کا ایک عجوبہ  
یاد آیا، وہ یہ کہ بعض دفعہ بحر یوں میں ایک ایسی بکری بھی ہوا کرتی  
ہے، جو اغیل میں رات کے سکون کے وقت ایک خاص قسم کی نرم  
آواز نکالتی رہتی ہے، اس آواز کو جو بکری کی ناک سے نکلتی ہے، بڑھسکی



ہیں گورسکینس (GURUSKINAS) کہتے ہیں، یہ صوت بیمار آدمی کے کمرہنے کی طرح ہوتی ہے، جسے اغیل کی تمام بکریاں جگالی میں مصروف ہونے کے باوجود سنتی رہتی ہیں، پس یقیناً ہر چیز قالاً یا حالاً، شعوری طور پر یا غیر شعوری طور پر، معرفت سے یا عقیدت سے اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتی ہے (۱۳۱) اور اس کے بغیر کوئی شئی ہے نہیں۔

۱. اُس درویش باہمت کی تعریف اس لئے ہونی چاہئے کہ وہ اگرچہ ظاہراً بیمار نہیں تھا، لیکن شاید اُس نے یہ یقین کر لیا کہ روح بیمار ہے، کیونکہ خالق اکبر نے دل یعنی روح کو آئینہ اسرار ازل بنا دیا ہے پس اگر یہ آئینہ اپنا مخصوص کام نہیں کر رہا ہو، تو ظاہر ہے، کہ اس کو یقیناً زنگ بیماری لگ گیا ہے، پس یہ امر از بس ضروری ہوا کہ ذکر کے سوہان (ریتی = FILE) سے دل کو پاک و صاف کیا جائے، تاہم یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ انتہائی مؤثر اور کامیاب ذکر کے لئے کونسی کیفیت مزاج (MOOD) اور کس قسم کی آواز جلی یا خفی بہترین ثابت ہو سکتی ہے۔

۱۱. حدیث شریف کے مطابق بخار رب غفور کی طرف سے باعث پاکیزگی ہے، اور اصل بخار کا معجزہ روحانیت میں ہے، جس کا فرائض نام ”زلزلہ“ ہے (۲۲، ۳۳، ۹۹) غرض اہل ایمان کے حق میں جسمانی تکالیف اور منازل روحانیت کی آزمائشیں بڑی مفید دواؤں کا کام کرتی ہیں، تاکہ کُلّی طور پر روحانی اور اس کے بعد عقلی صحت حاصل ہو، اور یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے کہ اس نے اپنی حکمت بالغہ

سے خیر و شر کی ہر چیز کو رجوع کا ذریعہ بنایا۔

۱۲، خزائن اسرارِ قرآن میں سے ایک خزانہ حضرت مریم علیہا السلام کا قصہ ہے، اگرچہ یہ گنج گرانمایہ لا تعداد انمول جواہر سے بھرا ہوا ہے، لیکن ہم یہاں موضوعِ زیرِ بحث کی مناسبت سے صرف ایک ہی درج گوہر (موتیوں کا ڈبہ) کا ذکر جمیل کریں گے، وہ انسانِ کامل کی نورانی ولادت کا قصہ ہے، جو کامیاب درویش کے عالمِ شخصی میں وقوع پذیر ہوتی ہے، چنانچہ حضرت مریمؑ کا درِ درزہ (مخاض ۱۹) اُس معجزاتی تکلیف کی مثال ہے، جو انفرادی نور کے جنم یا ظہور کے دوران کسی درویش پر گذرتی ہے، آپ کو شاید اس بات سے تعجب ہو گا کہ بھلا درِ درزہ سے نور کی نسبت ہی کیا! لیکن یہ بات نہیں، کیونکہ نور کا جس طرح جسمانی جنم ہوتا ہے، اسی طرح اس کا روحانی جنم بھی ہے، جس سے ظہورِ نور مراد ہے، اور یہاں یہ نکتہ بھی خوب یاد رہے کہ خداوندِ عالم نے نور کو جامعُ الامثال بنادیا ہے، تاکہ اس کی روشنی میں ہر مثال کی حقیقت کا علم ہو سکے۔

نصیر الدین نصیر (حُبِّ علی) صوفی

منگل ۱۳، رجب المرجب ۱۴۰۹ھ ۲۱، فروری ۱۹۸۹ء



# عالم شخصی اور بہشت

۱۔ سورۃ ذاریات میں پروردگارِ عالم کا ارشادِ عالی ہے (ترجمہ):  
 اور یقین والوں کے لئے زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں، اور  
 خود تمہاری جانوں میں بھی، تو کیا تم نہیں دیکھتے ہو (۵۱: ۲۰ - ۲۱)  
 اہل دانش پر یہ حقیقت روشن ہے کہ یہاں لفظ ”یقین“ مشاہدۂ باطن  
 اور معرفت کے معنی میں آیا ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ مومن کا لفظ عام  
 بھی ہے، اور خاص بھی، مگر مومن (بحقیقت یقین والا) خاص ہے عام  
 نہیں، اور یقین و موقنین پر حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے جلیل القدر  
 پیغمبر کی عملی مثال سے بخوبی روشنی پڑتی ہے، جیسا کہ سورۃ النعام (۶۶)  
 میں ارشاد ہوا ہے: اور اسی طرح ہم نے ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمین  
 کی (عظیم الشان روحانی) سلطنت دکھلائی تاکہ وہ کامل یقین کرنے  
 والوں (یعنی عارفوں) سے ہو جائے۔

۲۔ سیارۃ زمین پر آج جیسی بے شمار چیزیں ہیں، وہ سب کی  
 سب قدرت کی نشانیاں ہیں، اور یہی لا تعداد نشانیاں بصورتِ لطیف

عالم شخصی میں بھی ہیں (وَفِي أَنْفُسِكُمْ) اور تمہاری جانوں میں بھی ہیں) پس یقیناً کامل یا معرفت کا انحصار عالم شخصی کے مشاہدے پر ہے، اور یہ امر نہ صرف ممکن ہے، بلکہ ضروری بھی ہے، کیونکہ قرآن حکیم کا فرمانا ہے کہ: اور جو شخص اس دنیا میں اندھا رہے سو وہ آخرت میں بھی اندھا رہے گا اور زیادہ راہ گم کردہ ہوگا (۱۶/۱) دنیا کی روشنی اور آدمی کی ظاہری آنکھ دو الگ الگ چیزیں ہو ا کرتی ہیں، مگر اس کے برعکس روحانیت میں نور کہا جائے، یا چشم باطن، وہ ایک ہی چیز ہے، چنانچہ ”اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ“ میں رحمت خداوندی کا یہ اعلان عام ہے کہ لوگو آؤ نور الہی کو چشم بصیرت قرار دیکر عالم شخصی کے آسمانوں اور زمین کی حقیقتوں کا مشاہدہ کرو۔ یہ تفسیر حدیث تقرب کے عین مطابق ہے۔

سر اجتماعی اور انفرادی نور دنیا ہی میں حاصل کیا جاتا ہے، اسی معنی میں سورۃ حدید (۵۶/۱) میں حکایتاً ارشاد ہوا ہے: قِيلَ ارْجِعُوا وَرَاءَكُمْ فَالْتَمِسُوا نُورًا ان کو جواب دیا جائے گا کہ تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ پھر (وہاں سے) نور ڈھونڈ لاؤ۔ یہاں ”پیچھے“ سے دنیا اور تاریخ مراد ہے جبکہ مذکورہ قیامت انفرادی اور شخصی قسم کی ہو، ورنہ قیامت کبریٰ میں میں پیچھے لوٹ جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔

۴۔ بہشت عقلی بھی ہے، روحانی بھی، اور لطیف جسمانی بھی، لہذا اس کا پھیلاؤ کائنات ظاہر کے طول و عرض کے برابر ہے (۳۳/۱۳۱)۔



یعنی جنت آسمان وزمین کے جسم لطیف، نفس کُلّی، اور عقل کُلّی میں معمور و مستور ہے، ساتھ ہی ساتھ اس کا ظہور عالم شخصی میں بھی ہو جاتا ہے، کیونکہ جو کچھ عالم کبیر میں منتشر ہے، وہی کچھ عالم صغیر میں مجتمع بھی ہے، اس کی بہت سی مثالوں میں سے ایک وہ ہے جس میں بہشت برین کو نزدیک لانے کا ذکر ہوا ہے، دیکھتے: ۲۶، ۵۱، ۸۱، پس آدمی کے لئے سب سے قریب ترین جنت وہی ہے، جو اس کی ذات میں ہو، یعنی عالم شخصی میں، تاکہ وہ معرفتِ روح کے ساتھ ساتھ بہشت کی شناخت بھی حاصل کرے (۲۶)۔

۵۔ انسان کا ہر ثمرہ حیات جب پشتِ پدر سے شکمِ مادر میں منتقل ہو جاتا ہے، تو اُس وقت وہ جسمانی، روحانی، اور عقلی تین قسم کی تاریکیوں میں پوشیدہ ہوتا ہے، لیکن خدا کے سامنے کوئی تاریکی نہیں، اس لئے وہ اس کی تخلیق در تخلیق کرتا ہے (۳۹)، قرآن حکیم نے ان تین ظلمتوں کا تذکرہ اس مقصد کے پیش نظر فرمایا، تاکہ ہم یہ حقیقت سمجھ سکیں کہ ان کے مقابل میں انوار بھی تین ہیں: جسم لطیف کے لئے، روح کے لئے، اور عقل کے لئے، پس جب پیرا بن یوسفی (مکرتہ ابداعی) سامنے آتا ہے، جب روح دکھائی دیتی ہے، اور جب مظاہرہ عقل کا مشاہدہ ہوتا ہے، تو اُس وقت تین انوار ہوتے ہیں، اور اسی حال میں جنت عالم شخصی میں نزدیک لائی جاتی ہے۔

۶۔ انسان کو عالم وجود میں جو مقام ملا ہے، وہ حیوان اور فرشتہ

↑ فرشتہ  
انسان  
↓ حیوان

کے درمیان واقع ہے، لہذا ممکن ہے کہ وہ مگر  
مکر حیوان بشکل آدمی بن جائے، اور اس میں  
بھی کوئی تعجب نہیں کہ وہ بشری صورت میں ہوتے  
ہوتے مَلَک ہو جائے، اور یقیناً قرآن حکیم میں اس تنزل و ترقی  
کا ذکر موجود ہے، اسی واسطے ہمیں کہنا چاہئے کہ مولائے روم کا نظریہ  
ارتقاء قابل تعریف ہے، جس کا تذکرہ قیامتِ صغریٰ کے عنوان کے  
تحت ہو چکا ہے، پس یہ نکتہ ہمیشہ کے لئے یاد رہے کہ جب تک کسی  
کو فرشتگی کا کوئی تجربہ نہ ہو، تو وہ صرف عالمِ ناسوت ہی کو دیکھتا ہے  
اور اگر وہ انسانِ کامل میں فنا ہو جائے، تو لاریب وہ عالمِ ملکوت  
اور بہشت کا مشاہدہ کریگا۔

۷۔ قرآن و حدیث کا اندازِ بیان بدرجہ انتہا حکیمانہ ہے، اس لئے  
ہمیں حکمت سمجھنے کی یہی ضرورت ہے، اور خود قرآن ہی کا ارشاد ہے  
کہ: خدا جس کو چاہے حکمت عطا کر دیتا ہے، اور جس کو حکمت عنایت  
ہوئی تو بیشک اس کو بڑی کثرت سے خیر مل گئی (۲۴۹) یہ حکمت کی  
تعریف و توصیف بھی ہے، اور اس کے حصول کے لئے تشویق و  
ترغیب بھی، تاکہ ہر ہوشمند مسلمان حکمت کی اہمیت کو سمجھے اور اس  
کو حاصل کرتا رہے، کیونکہ حکمت مومن ہی کی گم شدہ متاع ہے۔  
۸۔ قرآن کریم ایک علمی و عرفانی بہشت ہے، کیونکہ اس میں  
عقل و جان کے لئے بیحد و بے حساب نعمتیں موجود ہیں، اور خدا تعالیٰ



بزرگ و برتر کی یہ بے عدیل و لاثانی کتاب کائناتی جنت کی وہ صورت مرقومہ ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے بہشت برین کو لطیف و مدود و دکر کے انسان کے سامنے رکھ دیا ہے۔ یہ اس حقیقت کی ایک روشن مثال ہے کہ خداوند عالم بہشت کو اپنے بندوں کے نزدیک لاتا ہے، اس لئے کہ وہ خود بھی آدمی کی رگ جان سے بھی زیادہ قریب ہے، مگر انسان کے لئے اس کا اپنا وسوسہ ایک تاریکی ہے (۵۶) جب نفس کا وسوسہ ختم ہو جاتے، تو دیکھ لینا کہ کیا ہوتا ہے۔

۹۔ بہتر یہ ہوگا کہ آپ ان باتوں کو معمولی نہ سمجھیں، الف: ہر چیز کی ازلی حیثیت خزانہ الہی میں موجود و محفوظ ہے (۱۵۱)۔ ب: ہر چیز کا امکانی وجود کلمہ باری میں ہے (۳۶)۔ ج: ہر چیز کی پوشیدہ کتاب قلم قدرت میں ہے (۵۶)۔ د: ہر چیز کی روحانی تحریر لوح محفوظ میں ہے (۹۹)۔ ہ: ہر چیز کا بیان قرآن عزیز میں موجود ہے (۱۶۸)۔ و: ہر چیز کی مادی صورت صحیفہ کائنات میں بنائی ہوئی ہے (۲)۔ ز: ہر چیز کا ذرہ لطیف عالم شخصی میں موجود ہے (۵۱)۔ ح: ہر چیز کی کلیدی حکمت امام مبین میں محدود ہے (۳۶)۔ ط: ہر عملی چیز کا ریکارڈ نامہ اعمال میں ہوتا ہے (۶۹) اور یہ تمام کلیات آپس میں اس طرح متحد ہیں کہ ان میں سے جس کو دیکھا جائے، اسی میں دوسرے سب موجود نظر آتے ہیں۔

۱۰۔ دنیارنج و مشقت کی جگہ ہے، اس میں کوئی آرام و راحت

نہیں، اور عالم شخصی میں جب بہشت نزدیک لائی جاتی ہے، وہ بھی جسمانی اور نفسانی تکالیف کے ساتھ ہے، کیونکہ وہ یہاں صرف یقین و معرفت کے پہلو سے آسکتی ہے، اور بس، آپ انبیاء علیہم السلام کی حیات طیبہ پر غور کر سکتے ہیں، اُن میں سے ہر ایک کے عالم شخصی میں یقیناً نورانیت اور علم و حکمت کی جنت موجود تھی، مگر ایسا کوئی قانون ہی نہ تھا کہ ظاہری تکالیف ختم ہو جائیں، اور مومن کے لئے دُنیا ایک کُلی بہشت بن جائے۔

۱۱۔ عالم شخصی میں جملہ پیغمبروں کے معجزات بصورتِ تجرُّدِ امثال مجموع ہیں، اُن کے علاوہ وہ تمام واقعات بھی ہیں، جن کا تذکرہ قرآن پاک میں موجود ہے، مگر یہ ساری چیزیں روحانی شکل میں ہیں، مثال کے طور پر عصایِ موسیٰ کو لیجئے، کہ وہ سب سے پہلے اسمِ اعظم اور ذکر ہے، پھر روح و روحانیت، اور آخر میں عقل و علم، کیونکہ قرآن حکیم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کی تین صورتوں کا ذکر ہے: حَیَّۃ (سانپ ۲۱)، ثُعْبَان (اژدھا ۲۲) اور یَحَاق (جِن ۲۳) یہ اُس مبارک عصا کے تین پُر حکمت معجزے تھے، جن کی خیر کا پہلو حضرت موسیٰ کی طرف اور شر کا پہلو فرعون کی طرف تھا، ان شاء اللہ تعالیٰ کسی اور موقع پر مزید باتیں ہوں گی۔

۱۲۔ عالم شخصی کی بہشت سے دراصل روح اور رب کی معرفت مراد ہے، اسی میں شفا کی کُلی اور نجاتِ ابدی ہے، اور اسی سے وہ بصیرت



عطا ہو جاتی ہے، جسکی ہر مومن کو بیدار ضرورت ہے، تاکہ ہر علمی حجاب میں  
جو گنجِ حکمت محبوب و مستور ہے، اس کو دیکھا جائے، خواہ کوئی حجاب  
سانپ کا ہو، یا اژدھے کا، یا جِن کا۔ والسلام۔

نصیر الدین نصیر (حَبَّ علی) ہونزائی

بیسر، ۲۷ رجب المرجب ۱۴۰۹ھ ۶ مارچ ۱۹۸۹ء

Table of Contents



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قرآن کی باطنی تشریح سے متعلق تقریباً سولہ سے زائد کتابوں کے مصنف ہونے کے علاوہ شاعر بھی ہیں۔ اپنی مادری زبان بروشسکی، جو دنیا کی ایک منفرد زبان ہے، کے پہلے صاحبِ دلیوان شاعر ہونے کی وجہ سے بابائے بروشسکی کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ اردو، ترکی اور فارسی میں بھی شاعری کرتے ہیں، سینئر یونیورسٹی امریکہ اور کینیڈا نے رحمانی سائنس کے لئے آپ کی خدمات کے اعتراف میں آپ کو اعزازی ڈاکٹریٹ کی سند عنایت کی ہے اور آپ اسی یونیورسٹی کے ممتاز سینئر پروفیسر بھی ہیں، آپ کی مشہور تصانیف میں ”کتاب العلاج“، ”میزان الحقائق“، ”دُعائے عبادت“، ”روح کیا ہے“ اور ”امام شناسی“ وغیرہ شامل ہیں علاوہ ان میں آپ ہائیڈل برگ یونیورسٹی سے شائع شدہ جرمن بروشسکی ڈکشنری اور کیلگری یونیورسٹی سے شائع شدہ کتاب ”ھونزہ پرووربز“ کے ہیکار مصنف بھی ہیں۔

